معارف کا زر تعاون

ہندوستان میں سالانہ ۱۲۰ روپے فی شمارہ ۱۲ روپے

پاکستان میں سالانہ ۳۰۰ روپے

دیگر ممالک میں سالانہ ہوائی ڈاک پچیس پونڈ یا چالیس ڈالر

بحری ڈاک نو پونڈ یا چودہ ڈالر

پاکستان میں ترسیل زر کا پتہ: حافظ محمد یحییٰ، شیرستان بلڈنگ

بالمقابل ایس ایم کالج اسٹریچن روڈ، کراچی۔

☆ سالانہ چندہ کی رقم منی آرڈر یا بینک ڈرافٹ کے ذریعہ بھیجیں۔ بینک ڈرافٹ درج ذیل نام سے بنوائیں

DARUL MUSANNEFIN SHIBLI ACADEMY, AZAMGARH

☆ رسالہ ہر ماہ کے پہلے ہفتہ میں شائع ہوتا ہے، اگر کسی مہینہ کی ۱۵ تاریخ تک رسالہ نہ پہنچے تو اس کی اطلاع ماہ کے تیسرے ہفتہ کے اندر دفتر میں ضرور پہونچ جانی چاہئے، اس کے بعد رسالہ بھیجنا ممکن نہ ہوگا۔

☆ خط و کتابت کرتے وقت رسالہ کے لفافے پر درج خریداری نمبر کا حوالہ ضرور دیں۔

☆ معارف کی ایجنسی کم از کم پانچ پرچوں کی خریداری پر دی جائے گی۔

☆ کمیشن ۲۵ فیصد ہوگا۔ رقم پیشگی آنی چاہئے۔

پرنٹر، پبلیشر، ایڈیٹر۔ ضیاء الدین اصلاحی نے معارف پریس میں چھپوا کر دار المصنفین شبلی اکیڈمی اعظم گڈھ سے شائع کیا۔

جلد ۱۷۱ ماہ ذی الحجہ ۱۴۲۳ھ مطابق ماہ فروری ۲۰۰۳ء عدد ۲

فہرست مضامین

مقالات

شذرات

آزاد ہندوستان میں اردو زبان کی ابتدائی تعلیم کا سلسلہ بہ تدریج کم ہوتا جا رہا ہے، شمالی ہندوستان میں لوئر اور پرائمری سطح پر اس کی پڑھائی تقریباً بند ہوگئی ہے، صرف یونیورسٹیوں اور مسلم کالجوں میں دوسرے مضامین کی طرح اردو کے شعبے باقی ہیں، جن میں نظم و نثر کا مقررہ نصاب پڑھایا جاتا ہے لیکن جب جڑ ہی خشک ہوجائے تو شاخوں پر چھڑکاؤ سے درخت سرسبز و شاداب نہیں رہ سکتا، اردو کے اہل قلم نے اپنی سرگرمیاں صرف شعر و شاعری، ادب و تنقید نگاری اور افسانہ و ناول نویسی تک محدود کرلی ہیں، حکومت نے ان کو بھلانے اور پھسلانے کے لئے اکثر ریاستوں میں اردو اکیڈمیاں اور دوسری کمیٹیاں قائم کی ہیں جن کے فوائد سے انکار نہیں مگر لوگوں کو انعامات، ممبری، عہدوں کے لیے لڑنے جھگڑنے سے فرصت نہیں اور ملک کے سیاسی بحران، اخلاقی پستی اور حکمرانوں کی ہوسِ اقتدار اور لوٹ کھسوٹ نے اکیڈمیوں کو موت کے دہانے پر پہنچا دیا ہے اور بعض نے تو دم بھی توڑ دیا ہے، جب طلبہ کے وظائف، کتابت اسکول کے اساتذہ اور اکیڈمی کے مستقل ملازمین کی تنخواہیں نہ ادا کی جارہی ہوں تو کتابوں اور ادیبوں کے انعام اور مسودوں کی طباعت کے لئے مالی امداد وہ کیا دیں گی اور کوئی اچھا علمی و ادبی پروگرام اور سمینار کیسے کریں گی، ریڈیو اور ٹیلی ویژنوں پر نشر ہونے والے اردو پروگرام بھی ختم ہوتے جاتے رہے ہیں، کئی ریاستوں میں دوسری سرکاری زبان ہونے کے باوجود اردو عضو معطل ہے، اردو ٹیچروں اور مترجموں کا تقرر رک گیا ہے اور جو پہلے سے ہیں ان سے دوسرے کام لیے جارہے ہیں، کانگریس اردو کو دوسری سرکاری زبان بنانے کا وعدہ کرکے دہلی میں برسر اقتدار آئی تھی مگر یہ وعدہ وفا بھی نہیں ہوا اور الکشن کا وقت آگیا۔

بات سے بات نکل آتی ہے، عرض یہ کرنا تھا کہ اردو کی ابتدائی تعلیم اور اردو کا ذریعۂ تعلیم اب صرف مکاتب و مدارس میں باقی رہ گیا ہے، لیکن مدارس کا اصل مقصد دینی علوم اور عربی زبان کی تعلیم دینا ہے، ان میں یونیورسٹیوں کا اردو کورس اور کلاسیکل ادبی و تنقیدی کتابیں پڑھانے کی گنجایش نہیں، تاہم جدید علوم اور سائنس و ٹکنالوجی کی تعلیم تو مادری زبان میں دلانا ان کے لیے بھی لابد ہے، مگر

عام طور پر اس کی مخالفت کی جارہی ہے، انگریزی، ہندی اور کمپیوٹر کی طرح جدید علوم سے بھی ان کا توحش دور ہوکر رہے گا مگر اس وقت جب زمانہ قیامت کی چال چل چکا ہوگا، پہلی مرتبہ اردو میں نئے علوم پڑھانے کے لئے ریاست حیدرآباد میں جامعہ عثمانیہ کا قیام عمل میں آیا تھا مگر آزاد ہندوستان کی کانگریسی حکومت نے بابری مسجد کی طرح غالباً غلامی کی یادگار سمجھ کر اس کی اینٹ سے اینٹ بجادی۔

نصف صدی گذرنے کے بعد جب پھر وہیں حکومت نے مولانا آزاد نیشنل اردو یونیورسٹی کے قیام کی منظوری دی تو اس کا خاکہ ان یونیورسٹیوں سے مختلف بنایا گیا جن میں اردو بہ حیثیت زبان پڑھائی جاتی ہے اور طے کیا کہ سائنس، طبیعیات، کیمیا، ریاضی، حیاتیات اور جدید علوم کو اردو میں پڑھایا جائے، مگر یہ کام نہایت مشکل تھا، کیوں کہ پچاس برس کے عرصے میں اردو بالکل مفلوج ہوچکی تھی، اس کا رواج ختم ہوگیا تھا، ابتدائی تعلیم موقوف ہوچکی تھی مگر وہ لوگ قابلِ مبارک باد ہیں جن کی نگاہِ انتخاب یونیورسٹی کے سادہ خاکہ میں رنگ بھرنے کے لئے، اردو دنیا کے جانے بوجھے لوگوں سے ہٹ کر ایسے بانی وائس چانسلر پر پڑی جو سائنس داں اور علم الحیوانیات کا ماہر ہونے کے ساتھ ہی عزم و ارادہ کا پکا، انتظامی صلاحیت کا مالک اور اردو زبان کا مزاج شناس تھا، چنانچہ پروفیسر محمد شمیم جیراج پوری نے اپنی محنت و جاں فشانی اور علمی و عملی قابلیت سے پانچ برس کی مقررہ مدت میں علم و ہنر کا ایک تازہ جہاں آباد کردیا، یونیورسٹی کی پرشکوہ عمارت تعمیر کردی، کئی مضامین کی تعلیم کا انتظام کردیا، ہزاروں طلبہ نے امتحانات میں کامیاب ہوکر اعلا ڈگریاں حاصل کیں اور متعدد مضامین کا اردو نصاب تیار کرادیا وغیرہ، اب ان کی جانشینی کے لئے قرعۂ فال پروفیسر سید عبدالوہاب کے نام نکلا ہے، امید ہے کہ یونیورسٹی کو صحیح سمت اور مزید ترقی و وسعت دے کر وہ بھی نیک نامی حاصل کریں گے، اللہ تعالیٰ ان کی مدد فرمائے اور اردو والے ان سے تعاون کریں۔

مسلمانوں کی بدقسمتی سے آج تک ان کا کوئی اپنا انگریزی روزنامہ نہیں نکل سکا، جناب سید حامد جیسے مخلص، فعال اور دردمند شخص تھک ہار کر بیٹھ گئے، ان کی مسیحا نفسی بھی اس مردہ اور بے حس و حرکت قوم میں زندگی کی روح نہ پھونک سکی، قوم و ملت کے مشہور کارکن اور جری و بے باک رہنما جناب سید شہاب الدین تقریباً بیس برس سے ''مسلم انڈیا'' نکال رہے تھے، یہ ہندوستانی مسلمانوں ہی نہیں عالم اسلام کے حالات و مسایل کا ایک دستاویزی مجلّہ اور بے باک ترجمان تھا،

شہاب الدین صاحب بڑے باخبر، قومی و ملی زندگی کے نشیب و فراز سے واقف مسلم قاید ہیں، مسلمانوں کے ہر مسئلے اور مشکل معاملے میں پیش پیش رہتے اور جرأت مندی سے اظہار خیال کرتے ہیں، ہر طرح کی معلومات اور اعداد و شمار کی روشنی میں درست حقایق اور صحیح تجزیے پیش کرتے ہیں مگر دسمبر کے بعد سے وہ اس مفید رسالے کو بند کرنے کے لیے مجبور ہوئے، صاحب ثروت مسلمانوں کے ہوتے ہوئے مالی وسایل کی کمی سے ''مسلم انڈیا'' کا بند ہونا نہایت افسوس ناک ہے اور اس سے بڑھ کر افسوس اس کا ہے کہ مسلمانوں کا متمول طبقہ فضول کاموں میں بے دریغ بے حساب پیسے خرچ کرتا ہے مگر صحیح مصرف، دنیا میں فیض بخش اور آخرت میں نفع دینے والے کاموں میں خرچ کرنے کی توفیق اسے نہیں ہوتی، مسلمانوں کی قومی و ملی غیرت کا تقاضا ہے کہ وہ ''مسلم انڈیا'' کے دوبارہ اجرا کا سامان جلد از جلد کریں۔

علی گڑھ کی بزم خواتین نے ''بزم ادب'' کے نام سے ایک اچھا اور باوقار سالانہ مجلہ نکالا ہے، سال رواں (۲۰۰۳ء) میں اس کا آٹھواں شمارہ شائع ہوا ہے، اس کی ترتیب و ادارت اردو کے مشہور ترقی پسند شاعر و نقاد مرحوم ڈاکٹر خلیل الرحمان اعظمی کی بیگم راشدہ خلیل صاحبہ بڑے سلیقے سے کرتی ہیں، ابتدا میں مذہبی مضامین درج ہوتے ہیں پھر ادبی، معلوماتی، سائنسی اور حالات حاضرہ سے متعلق مفید مضامین، کہانیاں اور افسانے ہوتے ہیں، آخر میں منظومات نظم و غزل شامل کی جاتی ہیں، اداریے، بزم کی نئی ممبروں کا تعارف اور تاثراتی خطوط بھی برابر شائع کیے جاتے ہیں، رسالے کی اہم خصوصیت یہ ہے کہ چند کے سوا سارے مضامین خواتین ہی کے ہوتے ہیں جو ہلکے پھلکے ہونے کے باوجود اچھے خاصے معلوماتی ہوتے ہیں، ادبی چاشنی کے ساتھ دینی و اخلاقی رجحان غالب ہوتا ہے، طباعت اور کاغذ سے نفاست اور خوش مذاقی ظاہر ہوتی ہے، رسالہ خصوصیت سے عورتوں کی دلچسپی اور پذیرائی کے لایق ہے، تیس روپے میں اردو باغ سر سید نگر۔ علی گڑھ۔ ۲ سے مل سکتا ہے۔

قارئین معارف کو اخباروں سے مشہور فاضل ڈاکٹر محمد حمید اللہ حیدرآبادی مقیم پیرس کی وفات کی خبر مل چکی ہوگی، وہ دارالمصنفین اور معارف کے عاشق و شیدائی اور بڑے کرم فرما تھے، اللہ انھیں غریق رحمت کرے۔ انشاء اللہ مارچ میں ان پر مفصل مضمون شائع ہوگا۔

مقالات

حضرت ام ایمن۔ رسول اکرم ﷺ کی انا

پروفیسر ڈاکٹر محمد یٰسین مظہر صدیقی ☆

ہمارے حضور جناب محمد بن عبداللہ ہاشمیؐ کی تاحیات خدمت کی سعادت حاصل کرنے والوں میں حضرت ام ایمنؓ کا نام نامی بھی شامل ہے، مصادر سیرت و تذکرہ میں کافی مواد ان کے بارے میں ملتا ہے، ابھی تک ان کی عظیم شخصیت، خاندان رسالت سے ان کے گہرے تعلق اور خدمت نبویؐ کے باب میں کوئی مستقل مقالہ نظر سے نہیں گذرا، اس میں سراسر کوتاہی نظر خاکسار راقم کی ہے، البتہ کتب سیرت میں رسول اکرمؐ کے بچپن کے حوالے سے ان کا جو تذکرہ ضمنی طور سے آجاتا ہے، وہ ان کی شخصیت عالی اور خدمات جلیلہ کا ذرا بھی حق ادا نہیں کرتا، لہذا یہ توفیق الٰہی ارزانی ہوئی کہ ان کے تذکرۂ خیر سے اپنی بصیرت اور دوسروں کی سعادت کا سامان کیا جائے۔

سیرت نبویؐ کی نگارش کا المیہ یہ رہا ہے اور اس کا ذکر بار بار کرنا پڑتا ہے کہ ایک دو کتابوں سے مواد لے کر ایک نئی کتاب سیرت لکھ دی جاتی ہے اور وہ بھی پامال، فرسودہ اور غیر مستند طریقے سے، جدید دور میں مصادر کی دستیابی سے زیادہ تجزیہ و تحلیل کے طریق و منہاج کا ہر طرف دور دورہ اور شعور ہے، اگر نہیں ہے تو ہم روایتی پیروان اسلام میں، حالانکہ اب سیرت طیبہ کی خدمت کا میدان وسیع تر و عظیم تر ہے، رسول اکرمؐ کی سوانح حیات اور کارناموں کا تقاضا ہے کہ ان کو تجزیہ و تحلیل کے طریقے سے پیش کیا جائے، حضرت ام ایمنؓ سیرت طیبہ کی سنہری زنجیر کی ایک خوبصورت، جمال آفریں، عقیدت فزا، محبت آرا اور عظیم کڑی ہیں، ان کے ذکر خیر اور تذکرۂ جمیل سے سیرت محمدی علی صاحبہا الصلوۃ والتسلیم کا ایک نیا باب سامنے آئے گا۔

☆ ڈائرکٹر شاہ ولی اللہ دہلوی، ریسرچ سیل ادارہ علوم اسلامیہ، مسلم یونیورسٹی، علی گڑھ۔

نام ونسب

روایات کا تقریباً اتفاق ہے کہ حضرت ام ایمن کا اصل نام ''برکۃ'' تھا، ابن سعد نے ان کے تذکرہ کا عنوان بھی یہی قائم کیا ہے، ''ام ايمن واسمها بركة'' (الطبقات الکبریٰ، بیروت ۱۹۵۸ء، ۸/۲۲۳) بقول ابن عبد البر ان کے نام پر ان کی کنیت غالب آگئی، ان کے فرزند اول کے نام پر تھی ''...... غلبت عليها كنيتها، كنيت بابنها ايمن'' (نیز ابن اثیر، اسد الغابہ، طہران طبع غیر مورخہ ۵/۵۶۷، ابن حجر، الاصابہ، مصر ۱۹۳۹ء، ۴/۲۴۳ ترجمہ برکۃ مع استیعاب ابن عبد البر برحاشیہ، نیز اصابہ، باب الکنی: ام ایمن نمبر ۴۵، ۴/۴۱۵، ۴۱۶، بلاذری، انساب الاشراف، قاہرہ ۱۹۵۹ء، ۱/۹۶، ابن کثیر، البدایۃ والنہایۃ، مصر ۱۹۳۲ء، ۲/۲۷۲، حلبی، السیرۃ الحلبیۃ، بیروت، غیر مورخہ، ۱/۱۰۵، مودودی سیرت سرور عالم، دہلی ۱۹۸۹ء، ۲/۱۶۱، ابن عبد البر نے ان کا نسب اس طرح بیان کیا ہے، ''بركة بنت ثعلبه بن عمرو بن حصن بن مالك بن سلمه بن عمرو بن النعمان، وهي ام ايمن ......''، ابن عبد البر نے ایک لقب بھی ان کا بیان کیا ہے کہ وہ ''ام الظباء'' کے نام سے معروف تھیں، یہ دوسرے مصادر میں بالعموم نہیں بیان کیا جاتا۔

مذکورہ بالا تمام مصادر نے بالاتفاق ان کو ''حبشیہ'' حبش کی رہنے والی قرار دیا ہے، لیکن یہ کسی نے نہیں بتایا کہ وہ حبشہ سے کب اور کیسے مکہ مکرمہ لائی گئی تھیں، روایات کے بیانات سے یہ ضرور واضح ہوتا ہے کہ وہ بطور باندی اور غلام مکہ میں رہی تھیں، ان کی غلامی کا سبب نہیں معلوم، البتہ قرینہ یہ کہتا ہے کہ وہ کسی طرح بردہ فروشوں کے قبضے میں پڑیں اور انہوں نے خاتون حبشہ کو بازار میں بیچ دیا، یہ بھی واضح نہیں کہ وہ کہاں کہاں بکیں، البتہ مکہ مکرمہ میں وہ خاندان نبوت میں اپنی خرید وفروخت کے آخری دور میں پہونچی تھیں۔

روایات میں اس پر اختلاف شدید پایا جاتا ہے کہ وہ مکہ مکرمہ میں کس کی باندی تھیں، بلاذری نے اس روایت کو ترجیح دی ہے کہ رسول اکرمؐ نے حضرت ام ایمن (جن کا نام برکۃ تھا) کو اپنے والد سے ترکہ میں پایا اور آزاد کردیا...... بعض راویوں کا کہنا ہے کہ آپؐ نے ام ایمن کو اپنی ماں سے وراثت میں پایا تھا اور آپ ہی نے ان کو آزاد فرمایا، دوسروں کا بیان ہے کہ آپؐ نے اپنے والد ماجد سے ان کی ''ولاء'' (تولیت، آقائی سرپرستی) پائی تھی اور ایک قوم کا قول ہے کہ وہ آپ کی ماں کی باندی تھیں اور آپؐ نے ان کو آزادی عطا کی تھی: ''ورث رسول الله من ابيه ام

ايمن، واسمها بركة، فاعتقها، ...... وقال بعض الرواة: ورث ام ايمن من امه، فاعتقها، وقال آخرون: ورث ولاء ها من ابيه، وقال قوم: كانت لامه فاعتقها،'' (۱/۹۶) نیز ابن سعد، الطبقات الکبریٰ، دار صادر بیروت ۱۹۶۰ء، ۴۹۷، امام مسلم، صحیح، کتاب الجهاد والسير، باب رد المهاجرين الى الانصار منائحهم، اردو ترجمہ رئیس احمد جعفری، کراچی غیر مورخہ ۲/۱۱۱۶، ابن قتیبہ، کتاب المعارف، مرتبہ ثروت عکاشہ، قاہرہ ۱۹۶۰ء، ۱۴۴، ابن حجر، اصابہ ۴/۴۱۵-۴۱۶ وغیرہ)۔

نبوی انا

حضرت ام ایمنؓ کو تقریباً تمام مصادر سیرت نے رسول اکرم ﷺ کی باندی، انا اور کھلائی کہا ہے: ''مولاة رسول الله ﷺ وحاضنته'' (ابن سعد ۱/۲۲۳، ابن اثیر ۵/۵۶۷ وغیرہ) امام بخاری نے صراحت کی ہے کہ وہ نبی ﷺ کی انا تھیں: ''وكانت حاضنة النبي ﷺ'' (کتاب فضائل اصحاب النبی ﷺ، باب ذکر اسامہ بن زید) بلاذری، ابن کثیر اور متعدد دوسرے قدیم و جدید سیرت نگاروں نے یہ وضاحت بھی کی ہے کہ وہ رسول اکرم ﷺ کی دیکھ ریکھ اور پرورش و پرداخت کرتی تھیں: ''فكانت ام ايمن تحضنه'' (۱/۹۶ اور ۲/۲۷۲ بالترتیب، ابن عبد البر، استیعاب، مذکورہ بالا: ''يقال لها مولاة رسول الله صلى الله عليه وسلم خادم رسول الله صلى الله عليه وسلم ......'' اصابہ، ۴/۴۱۵: ''مولاة حاضنة'' نیز حلبی ۱/۱۰۵، مبارکپوری، ۸۲: یہی ام ایمن ہیں جنہوں نے رسول اللہ ﷺ کو گود کھلایا تھا بحوالہ مختصر السیرۃ از شیخ عبد اللہ ۱۲، تلقیح الفہوم ۱۴، صحیح مسلم ۲/۹۶، ابن حجر، فتح الباری، ریاض ۱۹۹۷ء، ۷/۱۱۱-۱۱۴)۔

امام مسلم کی صحیح کی بنیاد پر مسعود احمد نے بیان کیا ہے کہ حضرت حلیمہ سعدیہ کے ہاں سے واپسی پر ''رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی پرورش حضرت ام ایمن کے سپرد ہوئی جو حبشہ کی رہنے والی تھیں اور آپ کے والد عبد اللہ کی لونڈی تھیں، جب رسول اللہ ﷺ بڑے ہوئے تو آپ نے انہیں آزاد کردیا'' (صحیح تاریخ الاسلام والمسلمین، دہلی ۱۹۸۶ء، ۲-۳ بحوالہ صحیح مسلم، کتاب الجہاد، باب رد المہاجرین الی الانصار منائحہم عن انس) بعض دوسری کتابوں سے تاثر ہوتا ہے کہ آپ کی پرورش اور دیکھ ریکھ والدہ ماجدہ کی وفات کے بعد کی تھی حالانکہ یہ صحیح نہیں ہے۔

اصل بات یہ ہے کہ حضرت ام ایمن رسول اکرم ﷺ کی ولادت مبارکہ سے قبل ہی آپ کے والدین ماجدین کی خدمت کرتی تھیں اور آپؐ کے ظہور قدسی کے بعد وہ آپؐ کی دیکھ ریکھ کرنے

لگیں اور آپ ؐ کی کھلائی اور انا بن گئیں، یہ خدمتِ سعادت انہوں نے حضرت حلیمہ سعدیہ کے گھر رضاعت کے لئے جانے سے قبل بھی انجام دی اور جب جب حضرت حلیمہ سعدیہ آپ ﷺ کو والدہ ماجدہ، دادا اور دوسرے عزیزوں سے ملانے لاتیں، حضرت ام ایمن آپ ؐ کی دیکھ بھال کرتی تھیں اور پانچ سال کی عمر میں رضاعی ماں کے گھر سے آنے کے بعد وہ آپ ؐ کی مستقل انا اور محبت و عقیدت کی ماری کھلائی تھیں اور والدہ کے ساتھ ساتھ آپ ؐ کی دیکھ ریکھ کرتی رہیں: ''و کانت تحضنه مع امه ثم بعد ان ماتت ......'' (ابن سعد، ۱/۱۱۶، ابن قتیبہ ۱۴۵) ان دونوں ثقہ راویوں اور اہل نظر کے واضح بیانات اور قرائن صحیحہ کے بعد اس میں کوئی شبہ نہیں رہ جاتا کہ حضرت ام ایمن رسول اکرم ؐ کی دیکھ ریکھ والدہ ماجدہ کے ساتھ ساتھ کرتی رہی تھیں، رضاعت حلیمہ سے قبل بھی اور اس کے بعد بھی۔

سفرِ مدینہ میں معیت

یہی وجہ ہے کہ رسول اکرم ؐ نے اپنے شفیق و کریم دادا جناب عبدالمطلب ہاشمی اور والدہ ماجدہ بی بی آمنہ کے ساتھ یثرب/مدینہ کا پہلا سفر چھ سال کی عمر میں کیا تو حضرت ام ایمن آپ ؐ کی انا کی حیثیت سے شریکِ سفر تھیں، بلاذری نے وضاحت کی ہے کہ اصلاً وہ عبدالمطلب ہاشمی کا سفر تھا اور وہ اپنی والدہ اور دوسرے ننہالی رشتہ داروں کی زیارت کے لئے پابندی سے یثرب کا سفر کرتے رہتے تھے اور اکثر و بیشتر اپنی بہو بی بی آمنہ کو بھی ساتھ لے جایا کرتے تھے کہ ان کے مرحوم شوہر عبداللہ یثرب میں دار نابغہ میں اپنے ننہالی عزیزوں بنو عدی بن النجار/خزرج کے جوار میں مدفون تھے اور ۵۷۶ء کے لگ بھگ جو سفر کیا اس میں رسول اکرم ؐ کو بھی ساتھ لے گئے اور آپ کے ساتھ آپ کی انا حضرت ام ایمن بھی ہم رکاب تھیں، (بلاذری ۱/۹۴: ''زارت امه قبر زوجها بالمدینة، کما کانت تزوره ومعها عبد المطلب و ام ایمن حاضنة رسول الله ......، نیز ابن سعد، الطبقات الکبریٰ، بیروت ۱۹۶۰ء، ۱/۱۱۶: ومعه ام ایمن تحضنه ......''۔

اتفاق سے یہ سفر رسول اکرم ؐ کی والدہ ماجدہ جناب آمنہ کا آخری سفرِ یثرب ثابت ہوا، واپسی کے سفر پر ان کی وفات کا واقعہ ابواء نامی مقام پر پیش آگیا اور وہیں ان کی آخری آرام گاہ بنی، عبدالمطلب ہاشمی اور حضرت ام ایمن رسول اکرم ؐ کو ابواء سے واپس مکہ مکرمہ لائے اور اب وہ تنہا ہاشمی دریتیم کی انا، کھلائی اور دایہ بن گئیں اور مرحومہ ماں کی جگہ بھی انہوں نے لے لی، مشہور روایات میں وضاحت ہے کہ حضرت ام ایمن رسول اکرم ؐ کو تن تنہا ابواء سے مکہ مکرمہ دادا کے پاس لائی

تھیں اور جناب عبدالمطلب ہاشمی اس سفرِ سعادت میں شریک نہ تھے بلکہ مکہ مکرمہ میں مقیم رہے تھے اور صرف والدہ ماجدہ اور حضرت ام ایمن کے ساتھ آپ ؐ نے یثرب کا سفر فرمایا تھا، لیکن یہ صحیح نہیں ہے، (ابن ہشام، السیرۃ النبویۃ، قاہرہ ۱۹۳۷ء، ۱/۱۷۹-۱۸۰، سہیلی، الروض الانف، قاہرہ ۱۹۶۷ء، ۲/۱۸۱ و مابعد) اس پر بحث تو جناب عبدالمطلب ہاشمی کی سوانح حیات میں تفصیل و دلائل کے ساتھ آئی ہے، یہاں اس کا خلاصہ پیش کر دیا گیا ہے، قدیم و جدید سیرت نگاروں نے بالعموم ابن اسحاق کی روایت کی پیروی کر کے اصل واقعہ بدل ڈالا ہے، (ابن قتیبہ، ۱۵۰: ''وردته ام ایمن حاضنته الی مکة بعد موت امه ......'' اور بعض دوسرے قدیم و جدید اہل سیر)۔

یثرب/مدینہ میں رسول اکرم ﷺ کے بچپنے کے قیام کا ایک واقعہ حضرت ام ایمن سے مروی ہے، ابنِ سعد اور ابنِ کثیر اور ان کے بعد دوسرے امامانِ سیرت کے علاوہ واقدی کی روایت نقل کی ہے کہ رسول اکرم ﷺ بچوں کے ساتھ یثرب میں کھیلا کرتے تھے تو یہود کے کچھ لوگ آتے اور آپ ﷺ کو غور سے ملاحظہ کرتے تھے، حضرت ام ایمن کا بیان ہے کہ ان یہودیوں میں سے ایک کو میں نے یہ کہتے ہوئے سنا: یہ اس امت کا نبی ہے اور یہ اس کی ہجرت کا گھر ہے اور میں نے اس کی پوری بات اچھی طرح سے ذہن میں محفوظ کر لی: ''...... و کان قوم من الیهود یختلفون ینظرون الیه فقالت ام ایمن : فسمعت احدهم یقول : هو نبی هذه الامة وهذه دار هجرته، فوعیت ذٰلک کله من کلامه ......'' (۱/۱۱۶)۔

حافظ ابنِ کثیر نے اس روایت کو زیادہ وضاحت کے ساتھ واقدی سے نقل کیا ہے: حضرت ام ایمن کا بیان ہے کہ مدینہ کے قیام کے دوران میرے پاس یہودِ مدینہ کے دو شخص آئے اور انہوں نے مجھ سے کہا کہ ہمارے پاس احمد کو لے آؤ، ہم انہیں دیکھنا چاہتے ہیں، ان دونوں نے آپ ﷺ کو دیکھا اور خوب الٹ پلٹ کر دیکھا اور ایک نے اپنے دوسرے ساتھی سے کہا، یہ اس امت کے نبی ہیں اور یہی ان کا دار الہجرت ہے اور اس مقامِ ہجرت میں قتل و قید کا ایک واقعہ عظیم رونما ہوگا، آپ ﷺ کی والدہ نے جب یہ سنا تو واپس ہو گئیں کیوں کہ ان کو خوف لاحق ہو گیا تھا: ''...... قالت ام ایمن فجاء نی ذات یوم رجلان من یهود المدینة فقالا لی : اخرجی الینا احمد ننظر الیه، فنظرا الیه و قلباه فقال احدهما لصاحبه : هذا نبی هذه الامة وهذه دار هجرته، و سیکون بها من القتل

والصبی امر عظیم ، فلما سمعت امه خافت وانصرفت به ......" (البدایہ والنہایہ ۲۷۹/۲)۔

حافظ ابن کثیر نے اس فصل میں رسول اکرم ﷺ کی والدہ ماجدہ کی قبر کی زیارت، ان کے ایمان واسلام اور والدین و دادا کے ایمان وغیرہ کی روایات بیان کرکے ان پر نقد و تبصرہ کیا ہے لیکن حضرت ام ایمن کی مذکورہ بالا روایت پر کوئی نقد واستدراک نہیں کیا ہے، اس کا ایک مطلب یہ ہوسکتا ہے کہ وہ روایت ان کے نزدیک صحیح ہے اور دوسرا مطلب یہ ہے کہ بعثت سے قبل اس نوع کی روایات بکثرت پیش گوئیوں کی شکل میں پائی جاتی ہیں اور یہ ان میں سے ایک ہے، حلبی نے اس روایت کا ذکر نہیں کیا البتہ دوسری روایات پر خوب بحث کی ہے (۱۰۵/۱۔۱۱۰)۔

دادا اور چچاؤں کے گھر میں والدہ ماجدہ بی بی آمنہ بنت وھب زہری کی وفات کے بعد رسول اکرم ﷺ اپنے کریم وشفیق دادا عبدالمطلب ہاشمی کے ساتھ غالباً ان کے گھر میں رہے اور ان کی راست نگرانی میں پروان چڑھے، آپ ﷺ کی دایہ اور انا (حاضنہ) کی حیثیت سے حضرت ام ایمنؓ آپ ﷺ کے ساتھ رہیں، پہلے جناب عبدالمطلب ہاشمی کے گھر میں، روایات میں آتا ہے کہ عبدالمطلب ہاشمی حضرت ام ایمن کو برابر تاکید کیا کرتے تھے کہ وہ آپ ﷺ کی دیکھ ریکھ اور پرورش و پرداخت اور زیادہ محبت وشفقت کے ساتھ کریں اور کبھی آپ ﷺ کو اپنی آنکھوں سے اوجھل نہ ہونے دیں اور وہ بھی ٹوٹ کر آپ سے پیار کرتی تھیں، "......وقال عبد المطلب لام ایمن ، وکانت تحضن رسول الله ﷺ : یا برکة لا تغفلی عن ابنی فانی وجدته مع غلمان قریبا من السدرة ......" (ابن سعد ۱۱۸/۱)۔

ابن سعد میں صرف یہ بیان ہے کہ عبدالمطلب ہاشمی نے رسول اکرم ﷺ کو کچھ بچوں کے ساتھ بیری کے پاس پایا تھا تو حضرت ام ایمن کو غفلت نہ کرنے کی ہدایت کی تھی مگر اس پر حلبی نے کافی اضافہ کیا ہے اور حضرت ام ایمن کی سند سے ہی روایت بیان کی ہے کہ "میں رسول اللہ ﷺ کی حضانت کرتی تھی یعنی آپ کی پرورش وحفاظت کی ذمہ داری ادا کرتی تھی، ایک دن میں ذرا چوک گئی، ابھی ہوشیار نہ ہوئی تھی کہ عبدالمطلب کو اپنے سر پر کھڑا پایا اور پھر انہوں نے حضرت ام ایمن کو بتایا کہ انہوں نے رسول اللہ ﷺ کو کہاں پایا اور ان کی دیکھ بھال میں ہوشیاری کی ہدایت دی کہ ان کو رسول اکرم ﷺ کے گم ہو جانے کے خدشے سے دہشت ہوتی تھی،" وعن ام ایمن کنت

احضن النبی ﷺ ای اقوم بتربیته و حفظه ، فغفلت عنه یوما ، فلم ادر الا بعبد المطلب قائما علی راسی یقول ...... لا تغفلی عن ابنی ......" (۱۱۰/۱)۔

چچا زبیر اور چچا ابوطالب کے گھر میں آٹھ سال کی عمر شریف ہوئی تو ۵۷۸ء میں دادا کی وفات ہوئی اور رسول اکرم ﷺ اپنے دو سگے چچا، زبیر بن عبدالمطلب ہاشمی اور ابوطالب بن عبدالمطلب ہاشمی، کی خصوصی کفالت وپرورش میں آئے، حضرت ام ایمن رسول اکرم ﷺ کی انا اور کھلائی اور باندی کی حیثیت سے آپ کے ساتھ ساتھ رہیں، خواہ وہ زبیر ہاشمی کا گھر رہا ہو یا ابوطالب ہاشمی کا، دوسرے اعمام وعمات (چچاؤں اور پھوپھیوں) کی عمومی کفالت و دیکھ بھال یا زیارت کی صورت میں حضرت ام ایمن ان کے گھروں میں بھی سکونت پذیر رہیں، کیوں کہ وہ آپ ﷺ کی ذات والا صفات کے ساتھ وابستہ تھیں اور ان کا سب سے بڑا کام آپ ﷺ کی دیکھ ریکھ اور پرورش تھا، (اعمام وعمات کی کفالت کے لئے ملاحظہ ہو: "عبدالمطلب ہاشمی، رسول اکرم ﷺ کے دادا" اور "کفالتِ نبوی کی وصیت عبدالمطلبی")، ابن سعد کی ایک روایت ہے کہ بڑی عمر میں بھی وہ آپ ﷺ سے انتہائی محبت فرماتیں اور آپ کی دیکھ بھال کرتیں: "کانت ام ایمن تلطف النبی ﷺ و تقوم علیه (۲۲۳/۸، ابن حجر، اصابہ ۲۱۶/۴ میں "تقدم علیه" ہے جو تقوم علیه کی تصحیف ہے جیسا کہ ابن سعد وغیرہ میں ہے)۔

رسول اکرم ﷺ کو اپنے بچپن سے حضرت ام ایمن سے خاص لگاؤ اور شدید محبت تھی، اسی بنا پر آپؐ ان کو اپنی ماں کے بعد اپنی ماں ہی سمجھتے تھے اور اپنی سگی ماں کی طرح پیار کرتے تھے، ابن سعد ہی کی روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ حضرت ام ایمن کو ماں کہتے اور جب جب ان کو دیکھتے، فرماتے کہ وہ میرے اہل بیت کا بقیہ ہیں: "کان رسول الله ﷺ یقول لام ایمن : یا امه ، وکان اذا نظر الیها قال : هذه بقیة اهل بیتی" (۲۲۳/۸) حلبی نے حدیث شریف کے الفاظ نقل یوں کیے ہیں: "انت امی بعد امی" "ویقول : ام ایمن امی بعد امی" (۱۰۵/۱ نیز ابن اثیر ۵۶۷/۵: "ام ایمن امی بعد امی ......")، حافظ ابن حجر نے اس حدیث کے علاوہ یہ بھی نقل کیا ہے کہ رسول اکرم ﷺ ان سے اور ان کی اولاد سے بے پناہ محبت کرتے تھے، (فتح الباری ۱۱۳/۷، اصابہ ترجمہ ام ایمن، ابن عبدالبر، استیعاب ترجمہ برکہ مذکورہ بالا، نیز بحث بر اولاد)، ان سے محبت وتعلقِ نبوی کا واقعہ اتنا معروف و

مشہور تھا کہ صحابہ کرام اور دوسرے اکابر شہر اس کو جانتے اور لحاظ کرتے تھے۔

کاشانۂ نبوت میں

جوانی کی عمر کو پہونچ کر رسول اکرم ﷺ اپنے آبائی گھر میں قیام پذیر ہوئے تو آپ ﷺ کی انا حضرت ام ایمن آپؐ کے ساتھ خاندانی مکان میں اٹھ آئیں کہ وہ ماں کی جگہ اس مقام کی حق دار تھیں، دوسرے وہ ابھی تک رسول اکرم ﷺ کی غلامی کے رشتۂ افتخار اور بندگی کے سلسلۂ ناز سے بھی وابستہ تھیں، روایات کا واضح بیان تو نہیں ملتا تاہم قرائن بتاتے ہیں اور صحیح اور حتمی بتاتے ہیں کہ حضرت ام ایمنؓ کاشانۂ نبوت میں شروع سے رسول اکرم ﷺ کی شادی تک قیام پذیر رہی تھیں۔

پچیس برس کی عمر شریف میں رسول اکرم ﷺ نے حضرت خدیجہ بنت خویلد اسدی سے شادی کی تو شاید اس کے بعد ہی حضرت ام ایمنؓ کو آزادی عطا فرمادی جیسا کہ ابن سعد کی روایت میں گذرا، اسی روایت میں اور بعض دوسری روایات میں حضرت ام ایمن کی شادی کا ذکر ملتا ہے۔

پہلی شادی

ابن سعد کے مطابق آزادی کے بعد بنو الحارث بن خزرج کے ایک یثربی آزاد شخص عبید بن زید خزرجی نے حضرت ام ایمن سے شادی کرلی، اس رشتہ میں ایک اہم نکتہ یہ ہے کہ حضرت ام ایمن کے پہلے شوہر یثرب/مدینہ کے باشندے تھے اور خزرج کے قبیلے کے ایک فرد تھے اور اسی قبیلے کی ایک شاخ رسول اکرم ﷺ کے دادا جناب عبدالمطلب ہاشمی کی والدہ ماجدہ حضرت سلمٰی بنت عمرو عدی بن نجار/خزرجی تعلق رکھتی تھیں اور اسی کی زیارت کے لئے جناب عبدالمطلب ہاشمی، آپ ﷺ کی والدہ آپ سمیت ام ایمن کو ساتھ لے کر گئی تھیں، غالباً یہ رشتہ رسول اکرم ﷺ نے ہی لگایا تھا کہ وہ آزادی کے بعد بھی ہاشمی ولاء کے رشتہ سے بندھی ہوئی تھیں، ابن سعد کی اس روایت میں ان کے اولین شوہر کا نام عبید بن زید ہے: "...... فتزوج عبید بن زید ......" (۲۲۳/۸) جبکہ دوسری روایات میں عبید بن عمرو ہے، اس نکاح کی دوسری تفصیلات تحقیق طلب ہیں البتہ عام روایات میں یہ آتا ہے کہ اس رشتہ سے حضرت ام ایمن کے ایک فرزند حضرت ایمن بن عبید خزرجی پیدا ہوئے تھے اور ایمن کی نسبت سے ان کی کنیت ام ایمن ہوگئی تھی اور وہ کنیت ایسی خوش آئند و قسمت خیز بنی کہ وہ اپنے اصل نام برکۃ سے زیادہ اسی سے مشہور ہوئیں، حافظ ابن حجر کے مطابق حضرت ایمن کی نسبت ان کی ماں کی طرف اس بناپر تھی کہ وہ بیت نبوی کے اہل میں سے تھیں اور ان کے والد سے افضل

اس حد تک کہ شادی اور فرزند کی ولادت سے قبل بھی وہ ام ایمن ہی کہلاتی رہیں اور بعد میں بھی حالانکہ پہلے وہ کنیت ہی نہ تھی اور بعد میں دوسری شادی ہوگئی اور ایک عظیم تر فرزند اور مشہور تر صحابی کی ماں بنیں لیکن ان کے نام سے ان کی کنیت نہیں پڑی، حضرت ایمن صحابی رسول ﷺ بنے اور غزوۂ حنین میں شہادت سے سرفراز ہوئے، یہ ابن سعد اور دوسری تمام کتب سیر و تاریخ میں متفقہ روایت ملتی ہے، حضرت ایمن کے غزوہ خیبر میں شہادت پانے کی روایت بعض مصادر کی روایات جیسے ابن حجر کی اصابہ میں اور جدید سیرتوں میں پائی جاتی ہے قطعاً غلط اور غیر معتبر ہے، (ابن سعد ۲۲۳/۸، ابن اثیر ۵۶۷/۵، ابن حجر، اصابہ نمبر ۳۹۴، بلاذری ۳۶۵/۱، ۴۷۱-۴۷۲، فتح الباری ۱۱۳/۷: و استشھد ایمن یوم حنین مع النبی ونسب ایمن الی امه لشرفها علی ابیه و شھرتھا عند اهل البیت النبوی ......"، ابن قتیبہ ۱۶۴ نے حضرت عباس بن عبدالمطلب کی طرف دو شعروں کی نسبت کی ہے جن میں حضرت ایمن بن عبید کی شرکت، نصرت اور شہادت کا حوالہ ہے: نصرنا رسول الله فی الحرب سبعة وقد فر من قد فر منهم فاقشعوا و ثامننا لاقی الحمام بسیفه بمامسه فی الله لا یتوجع، اصابہ ۴۱۵/۴: ...... واستشھد یوم خیبر، یہ کورانہ تقلید کا نتیجہ ہے)۔

بلاذری نے یہ صراحت کی ہے کہ حضرت ام ایمن نے عبید بن عمرو بن بلال بن ابی الحرباء بن قیس بن مالک بن ثعلبہ بن جشم بن مالک بن سالم، جو حبلی کہلاتے تھے، بن غنم بن عوف بن خزرج سے زمانۂ جاہلیت میں مکہ میں شادی کی تھی اور ان سے ایمن بن عبید تولد ہوئے تھے، بلاذری نے یہ بھی بیان کیا ہے کہ حضرت ایمن کے والد خالص عرب تھے جب کہ ابن حجر کی ایک ضعیف و مجروح روایت میں ہے کہ وہ بھی حبشی تھے اور موالی خزرج میں سے تھے (فتح الباری ۱۱۳/۷)، حضرت ایمن جنگ حنین میں اس وقت بھی ثابت قدم رہے تھے اور رسول اکرم ﷺ کا دفاع کرتے رہے تھے جب اکثر صحابہ کے پیر اکھڑ گئے تھے اور اسی غزوہ میں انہوں نے شہادت پائی تھی، شاید دفاع نبوی میں، حضرت ایمن خزرجی کے بارے میں امام بخاری نے اپنی ایک حدیث ۳۷۳۶ میں صراحت کی ہے کہ وہ انصار کے ایک فرد تھے (کتاب و باب مذکورہ بالا)۔

حضرت ایمن خزرجی کی عمر شہادت، ابن سعد کی روایت شادی اور دوسرے قرائن و آثار سے یہ واضح ہوتا ہے کہ حضرت ام ایمن کی عبید بن عمرو خزرجی سے شادی رسول اللہ ﷺ کی حضرت خدیجہ

سے شادی کے معاً بعد ہی ہوئی تھی، غالباً ۹۶-۵۹۵ء میں، وہ اپنے پہلے شوہر کے گھر مکہ میں ہی مقیم رہیں کیوں کہ عبید خزرجی وہاں بس گئے تھے، بلاذری کی ایک روایت میں ہے کہ عبید خزرجی ام ایمن کو شادی کے بعد مدینہ لے گئے تھے جہاں وہ ان کے گھر میں ان کی زندگی بھر رہیں وہیں ان کے فرزند ایمن کی ولادت ہوئی اور چند برس کے اندر ہی عبید بن عمرو خزرجی کی وفات ہوگئی اور وہ پھر کاشانۂ نبوت پلٹ آئیں، مدینہ سے واپس آنے کے بعد وہ پھر رسول اکرم ﷺ کے ہی قیام پذیر رہیں کیوں کہ ان کے شوہر کا گھر مکہ میں نہیں تھا اور کیوں کہ وہ فارغ رہیں اور شادی نہیں کی تھی "و مات عبید عن ام ایمن ، فکانت فارغة لم تتزوج بھا ......" (بلاذری ۱/۴۷۱-۴۷۲: "قدم عبید بن عمرو الخزرجی مکة فاقام بھا و تزوج ام ایمن برکة مولاة رسول الله ﷺ، و نقلھا الی یثرب، فولدت له ایمن بن عبید ، ومات عنھا ، فرجعت الی مكة ......" اصابہ مع استیعاب مذکورہ بالا)۔

بعثت نبویؐ اور اسلامِ ام ایمن تاریخی واقعات کی ترتیب زمانی کے لحاظ سے جناب ام ایمن اپنے شوہر عبید بن عمرو خزرجی اور اپنے بچے ایمن بن عبید خزرجی کے ساتھ مکہ مکرمہ ہی میں سکونت پذیر رہیں، امکان ہے کہ اس دوران وہ اپنے شوہر کے ساتھ ان کے وطن مالوف یثرب / مدینہ، زیارت و سکونت کے لئے گئی ہوں یا جاتی رہی ہوں، جیسا کہ بلاذری کی ایک روایت میں ایسا مذکور ہے، دوسری روایات سے تاثر ملتا ہے کہ وہ مکہ ہی میں قیام پذیر رہیں، ان کے مدینہ جانے کا بہر حال امکان ہے کیوں کہ مدنی / یثربی مہاجرین اور تارکین وطن بالعموم اپنے رشتہ داروں سے ملاقات، زیارت اور دوسرے تجارتی وجوہ سے یثرب جاتے رہتے تھے۔

اسی زمانے میں رسول اکرم ﷺ کو اللہ تعالیٰ نے نبوت سے سرفراز فرمایا اور آپ کی تبلیغ سے حضرت ام ایمن نے اسلام قبول کرلیا، ابن اثیر کا بیان ہے کہ وہ اسلام کے آغاز میں ہی مسلمان ہوگئی تھیں اور قدیم مسلم تھیں اور صرف یہی نہیں انہوں نے حبشہ کو ہجرت بھی کی تھی اور بعد میں مدینہ ہجرت کر گئیں (۵/۵۶۷: "واسلمت قديما اول الاسلام و هاجرت الى الحبشة والى المدينة ......") ان کی ہجرت پر بحث ذرا بعد میں ہوگی۔

ان کے قبول اسلام کی روایات کمتر ملتی ہیں لیکن یہ حقیقت بہر حال ظاہر ہوتی ہے کہ وہ اولین مسلمین میں تھیں، سید مودودی نے خفیہ تبلیغ کے سہ سالہ زمانے کے جن سابقین اسلام کی فہرست

دی ہے ان میں غلاموں اور لونڈیوں کی ذیلی فہرست میں سر نامہ حضرت "ام ایمن بنت ثعلبہ" کا نام ہے جنہوں نے بچپن سے حضورؐ کو گود میں پالا تھا (سیرت ۲/۶۱)، مولف "سیرت سرور عالم" نے یہ تو بتایا کہ انہوں نے بڑی تلاش و تفحص سے یہ فہرست تیار کی ہے لیکن ماخذ کا نام نہیں بتایا۔ تلاش و تحقیق سے معلوم ہوتا ہے کہ ان کی روایت پوری کی پوری ابن عبدالبر کی استیعاب سے ماخوذ ہے جس میں ان کا اصل نام، خاندان، کنیت، ہجرت حبشہ و مدینہ وغیرہ کا ذکر پایا جاتا ہے، اس میں ان کی اپنی روایت کے علاوہ واقدی، ابن اسحاق، ابن ہشام اور موسیٰ بن عقبہ کی مغازی کی روایات وحوالے موجود ہیں، (ابن عبدالبر بر حاشیہ اصابہ ۴/۲۴۳-۲۴۵، ترجمہ برکہ، نیز اصابہ ترجمہ ام ایمن)۔

حضرت ام ایمن نے حبشہ کو ہجرت نہیں کی تھی، تمام مصادر سیرت نے مہاجرین حبشہ کی فہرست میں ان کا نام نہیں گنایا ہے، غالباً کسی شاذ روایت میں ان کو مہاجرات حبشہ میں شمار کرلیا گیا ہو جو غیر معتبر ہے، حافظ ابن حجر نے ابن عبدالبر کے اس خیال و گمان پر کہ ام ایمن مہاجرہ حبشہ تھیں نقد کیا ہے: "وفی کون ام ایمن ھاجرت الی ارض الحبشة نظر" (اصابہ / نساء ۱۶۵) یہ بھی ممکن ہے کہ مولف اسد الغابہ کو برکہ بنت یسار زوجہ قیس بن عبداللہ اسدی خزیمی کے نام سے غلط فہمی ہوئی ہو کیوں کہ برکہ بنت یسار ابو سفیان اموی کی آزاد کردہ باندی تھیں اور مہاجرہ حبشہ بھی، (مودودی، سیرت ۲/۵۸۲ بحوالہ ابن ہشام، السیرۃ النبویۃ، ۱/۳۴۴-۳۵۳ بالخصوص ۳۴۶، بلاذری ۱/۱۹۸-۲۲۷ بالخصوص ۲۰۰)۔

دوسری شادی بیوہ ہونے کے بعد جب حضرت ام ایمن اپنے نوخیز بچے ایمن کے ساتھ کاشانۂ نبوت میں دوبارہ آگئیں تو رسول اکرم ﷺ کو ان کی دوسری شادی کرنے کا خیال ستانے لگا، روایات میں آتا ہے کہ آپ ﷺ فرمایا کرتے تھے کہ جس کو یہ بات خوش کرے کہ وہ ایک جنتی بی بی سے شادی کرلے اسے چاہیے کہ وہ ام ایمن سے نکاح کرلے اور اسی ترغیب و محبت کی بنا پر حضرت زید بن حارثہ کلبی نے ان سے شادی کرلی، "......من سرہ أن یتزوج امرأة من اھل الجنة فلیتزوج ام ایمن ، فتزوجھا زید بن حارثة ......" (ابن سعد ۸/۲۲۴، بلاذری ۱/ ۴۷۲، ابن حجر، اصابہ ۴/۴۱۶)، اپنی ایک اور روایت میں ابن سعد نے ایک مزید صراحت یہ کی

ہے کہ رسول اکرم ﷺ نے بنفس نفیس حضرت ام ایمن کی شادی حضرت زید بن حارثہ بن شراحیل کلبی سے کی تھی کہ وہ رسول اکرم ﷺ کے مولیٰ تھے جو حضرت خدیجہ بنت خویلد کے ہبہ کی بنا پر آپ ﷺ کی غلامی میں آئے تھے اور آپ ﷺ نے ان کو آزاد کر کے ان کی شادی حضرت ام ایمن سے کی اور یہ شادی آپ ﷺ نے اپنی بعثت و نبوت کے بعد ہی انجام دی تھی: ''......وکان زید بن حارثة بن شراحیل الکلبی مولیٰ خدیجة بنت خویلد فوھبته لرسول الله ﷺ فاعتقه و زوجه ام ایمن بعد النبوة ......'' (ابن سعد ۸/۲۲۳، ابن اثیر، اسد الغابہ ۲/۲۲۶، فتح الباری ۷/۱۱۳،

(۱۱۴۵)۔

بلاذری ۱/۳۶۷-۳۷۱، ابن عبدالبر، استیعاب مذکورہ بالا اور ابن حجر، اصابہ نمبر

حضرت زید بن حارثہ کلبی رسول اکرم ﷺ سے عمر میں دس سال چھوٹے تھے (ابن سعد ۳/۴۴)، حضرت ام ایمن سے شادی کے وقت ان کی عمر تیس پینتیس سال رہی تھی اور حضرت ام ایمن کی عمر یقیناً زیادہ تھی، اس شادی سے حضرت زید کے فرزند حضرت اسامہ بن زید کلبی پیدا ہوئے تھے اور وہ ہجرتِ مدینہ کے وقت چھوٹے تھے، روایات سے اندازہ ہوتا ہے کہ وہ حضرت عبداللہ بن عمرؓ کے ہم عمر تھے اور اسی بنا پر دونوں کو غزوۂ بدر میں نابالغ سمجھ کر نظر انداز کر دیا گیا تھا (بلاذری ۱/ ۲۸۸)، ان کے علاوہ بعض دوسرے نوجوان صحابہ کرام کے مسترد کئے جانے کا ذکر ملتا ہے، غزوۂ احد میں بھی ان دونوں کو دوسرے کمسن بچوں کی مانند شرکت کی اجازت نہیں ملی (بلاذری ۱/۳۱۶) بلاذری نے وضاحت کی ہے کہ حضرت اسامہ وفات نبویؐ کے وقت اکیس سال کے تھے (بلاذری ۱/ ۴۷۵) لہذا وہ ہجرتِ مدینہ کے وقت (دس گیارہ سال) کے تھے اور ان کی تاریخ و سنۂ ولادت ۶۱۱ء تا ۶۱۲ء تھا، حضرت زید کی شادی حضرت ام ایمن سے اس لحاظ سے نبوت و بعثت کے فوراً بعد ہی ٹھہرتی ہے اور یہی روایات کا بیان بھی ملتا ہے۔

حضرت زید بن حارثہ کلبی کے گھر میں

دوسری شادی کے بعد حضرت ام ایمن اپنے شوہر حضرت زید بن حارثہ کلبی کے گھر منتقل ہو گئیں، کیوں کہ رسول اکرم ﷺ کی سنتِ عادلہ تھی کہ آپ شادی شدہ بچوں، بچیوں اور عزیزوں کو علاحدہ مکان میں رکھتے تھے اور یہ سنتِ نبوی جوان دختروں بالخصوص ناکتخدا دختروں کے ضمن میں بھی نظر آتی ہے اور صرف مدینہ منورہ کی زندگی اور سماجی ماحول کے حوالے سے نہیں بلکہ مکہ مکرمہ کے سماجی مسلم نظام و انتظام میں بھی (ابن سعد ۱/۲۴۰، ابن ہشام ۲/۱۱۴-۱۱۵،

بالخصوص ابن سعد ۸/۱۶۴-۱۶۸، ذکر منازل ازواج النبی ﷺ)، اگرچہ حضرت زید اور ان کی زوجۂ مکرمہ حضرت ام ایمن اور ان کے فرزند گرامی حضرت اسامہ سب کے سب نبوی عیال تھے اور رسول اکرم ﷺ ہی ان کے والی، مولیٰ اور مربی تھے، جس طرح آپ ﷺ اپنے دوسرے مربیوں، لے پالکوں، آزاد کردہ موالی اور غلاموں اور ان کی اولاد کے سرپرست اور کفیل تھے، ان سب کی کفالت آپ ﷺ ہی فرماتے تھے، بخاری، صحیح، کتاب بدء الخلق، باب صفة ابلیس و جنوده: حدیث ۳۲۸۱: وکان سکنها (ای صفیة بنت حی) فی دار اسامة بن زید۔

حضرت ام ایمنؓ نے اپنے دوسرے شوہر حضرت زید بن حارثہ کلبی کے ساتھ لگ بھگ بیس برس کا عرصہ گذارا، اس میں تقریباً بارہ برس کا زمانہ مکہ مکرمہ میں بسر ہوا: ۶۱۱-۱۲ء سے ۶۲۲ء تک اور لگ بھگ آٹھ برس کا زمانہ مدینہ منورہ میں ان کے ساتھ گذارا: ۶۲۲ء سے ۶۳۰ء تک، یہ ان کا حسین ترین عرصۂ موافقت اور زمانۂ رفاقت تھا کہ چاہنے والے شوہر اور عزیز فرزند کی محبت ان کو میسر تھی، یہ دوسری بات ہے کہ حضرت زید بن حارثہ کلبی کی بعض دوسری شادیوں نے ان پر چار سوکنیں بھی لا دی تھیں لیکن وہ عرب اسلامی معاشرت کا ایک جز بھی تھی اور ابتدائے اسلام میں معاشرتی نظام کے ارتقا کی ایک کڑی تھی، سوکنوں کو بطیب خاطر یا بجبر و اکراہ برداشت کرنا ہی پڑتا تھا، عورت کی فطری لچک اس کی گنجائش نکال لیتی تھی، حضرت ام ایمن کا صبر و شکر تھا کہ مشیتِ الٰہی کہ حضرت زید نے اپنی دوسری بیویوں میں سے بیشتر کو طلاق دے دی تھی اور صرف ام ایمن رہ گئیں، بہر کیف حضرت زید کے ساتھ ان کی مسرت و شادمانی کا زمانہ گذرتا رہا تا آنکہ جمادی الاولیٰ ۸ھ/ ستمبر ۶۲۹ء کے غزوۂ موتہ میں حضرت زید کی شہادت کی بنا پر وہ مسرت بھرا زمانہ ختم ہوا اور وہ پھر ایک بار بیوہ ہو گئیں اور پھر انہوں نے شادی نہیں کی (ابن سعد ۳/۴۳-۴۷: شہادت بعمر ۵۵ سال، دیگر ازواج حضرت زید؛ ام کلثوم بنت عقبہ اموی، درہ بنت ابی لہب ہاشمی، ہند بنت عوام اسدی قریشی، ۸/۱۰۱-۱۰۲ و مابعد، بلاذری ۱/۴۶۷-۴۷۳)

ہجرتِ مدینہ

پہلے مسلمانانِ مکہ نے ہجرت کی اور پھر رسول اکرم ﷺ نے ۶۲۲ء میں مدینہ کوچ فرمایا، روایات سے واضح ہوتا ہے کہ حضرت ام ایمن کے شوہر اور دوسرے موالی نبوی مسلمانانِ مکہ کے ساتھ مدینہ ہجرت کر گئے تھے، ابن ہشام ۲/۹۰ کے مطابق حضرت زید نے اپنے مکی مواخات کے

بھائی حضرت حمزہ بن عبدالمطلب کے ساتھ ہجرت کی تھی اور حضرت کلثوم بن ہدم کے گھر اترے تھے اور خواتین بیت نبوی اور دوسری مستورات پیچھے مکہ مکرمہ میں رہ گئی تھیں، حضرت ابوبکر صدیق کا خاندان بھی ان میں شامل تھا اور رسول اکرم ﷺ کی دختران نیک اختر اور دوسری مستورات بھی، حضرت ام ایمن بھی ان میں سے ایک تھیں، مدینہ منورہ پہونچنے کے کچھ عرصے کے بعد رسول اکرم ﷺ نے اپنے دو موالی حضرات زید بن حارثہ کلبی اور ابورافع کو پانچ سو درہم دے کر مکہ مکرمہ بھیجا تاکہ وہ آپ ﷺ کی دو دختروں حضرت فاطمہ اور حضرت ام کلثوم اور زوجۂ مطہرہ حضرت سودہ بنت زمعہ کو مدینہ لے آئیں اور اسی کے ساتھ حضرت ابوبکر صدیق نے اپنے خاندان کی خواتین کو بھی بلا بھیجا جن میں ان کی اہلیہ حضرت ام رومان اور دو دختریں حضرت اسماء اور حضرت عائشہ شامل تھیں، مہاجرات کے اس قافلۂ سعادت میں حضرت ام ایمن اور ان کے فرزند حضرت اسامہ بھی شامل تھے، راویوں کے بقول یہ کاروانِ ہجرت مدینہ منورہ اس وقت پہونچا جب رسول اکرم ﷺ مدینہ میں اپنی مسجدِ مکرم اور اہل خاندان کے لئے حجرے تعمیر فرمارہے تھے، یعنی ۶۲۳ء کے آغاز میں، ہجرتِ نبوی کے چھ سات ماہ کے بعد مسجد نبوی اور حجرات نبوی کی تعمیر صفر ۱ھ یعنی لگ بھگ ہجرت کے گیارہ ماہ بعد مکمل ہوئی، (ابن ہشام ۲/۱۱۸) حضرت ام ایمن اپنے فرزند کے ساتھ اپنے شوہر حضرت زید کے گھر اتریں جو غالباً شروع میں ان کے دینی بھائی اور مواخات مدنی کے عزیز حضرت اسید بن حضیر اوسی کا گھر تھا یا ان کا عطیہ تھا، بعد میں اپنے گھر میں منتقل ہوگئیں، (بلاذری ۱/۲۶۹-۲۷۰، ابن سعد ۱/۲۳۷-۲۳۸، نیز ۳/۴۴ و مابعد برائے مواخات وہجرت، نیز بلاذری ۱/۱۴۱ و مابعد، ابن حجر، اصابہ نمبر ۱۱۴۵)۔

ابن سعد نے حضرت ام ایمن کے واقعۂ ہجرت سے متعلق ایک معجزاتی واقعہ بیان کیا ہے جو یہ ہے: حضرت ام ایمن اپنے سفر ہجرت کے دوران روحاء نامی مقام سے پہلے قیام پذیر ہوئیں اور اس وقت وہ پیاس سے بیتاب تھیں کہ روزہ سے تھیں اور دوسرے ان کے پاس پانی بھی نہ تھا، ان کو پیاس نے بہت پریشان کردیا تو آسمان سے قدرت الٰہی نے ایک ڈول نازل فرمایا، اس میں سفید دودھ جیسا عمدہ میٹھا پانی تھا، شام ہوچکی تھی اور اسی سے انہوں نے بظاہر روزہ کھولا اور پیاس بجھائی، اتنا پیا کہ سیرابی تام ہوگئی، فرمایا کرتی تھیں کہ اس کے بعد مجھے کبھی پیاس نہیں لگی، حالانکہ میں سفروں کے دوران سخت گرمی کے زمانے میں بھی روزے رکھا کرتی تھی لیکن اس قدرتی پانی

اور شراب الٰہی کے بعد مجھے کبھی پیاس نہیں لگی، دورانِ قیام وحضر سخت گرمی میں روزہ رکھنے کے باوجود پیاس نہیں لگتی، (ابن سعد ۸/۲۲۴، اصابہ ۱۱۴۵)۔

اصابہ میں امام ابن حجر نے مذکورہ بالا روایت ابن سعد کے علاوہ ایک اور روایت اسی سے ملتی جلتی ابن السکن کی تخریج سے بیان کی ہے، اس میں یہ اضافہ ملتا ہے کہ وہ مکہ سے مدینہ کے لئے ہجرت کے سفر پر پاپیادہ نکلیں اور ان کے پاس زادِ راہ بھی نہ تھا، جب سورج غروب ہوگیا تو قدرتِ الٰہی سے ان کے سر کے اوپر ایک ڈول پانی بھرا اتر آیا اور اس سے ایسی سیراب ہوئی کہ جنم جنم کی پیاس بجھ گئی اور بقول حضرت ام ایمن "مجھ کو بعد کی زندگی میں اس کی طراوت رہتی تھی، انتہائی گرم دنوں میں روزہ رکھتی اور دھوپ میں طواف کرتی تاکہ پیاس لگے مگر پیاس نہ لگتی، ایسی ہی پیاس بجھانے والی سیرابی ہوئی تھی، (ابن حجر، اصابہ ۴/۴۱۵-۴۱۶ نمبر ۱۱۴۵)۔

غزواتِ نبوی میں شرکت ایک تاریخی واقعہ اور نبوی سنت یہ رہی ہے کہ عہد نبوی میں خواتین غزوات میں شرکت کیا کرتی تھیں، عام خواتین کے علاوہ ازواج مطہرات کی بعض غزوات میں شرکت وخدمت کی ناقابل تردید روایات ملتی ہیں، ان کا غزوات اور بعض سرایا میں جانا محض رفاقت کی بنا پر نہیں تھا جیسا کہ ازواجِ مطہرات کے بارے میں کہا جاسکتا ہے، بلکہ وہ خدمت اور فوجی فرائض کی بجاآوری بھی کرتی تھیں اور بعض خواتین نے تو باقاعدہ سیف وسنان کے ساتھ جہاد بھی کیا تھا، رسول اکرم ﷺ کی پھوپھی حضرت صفیہ بنت عبدالمطلب ہاشمی نے اپنے قلعۂ حفاظت سے ایک دشمن کو مار گرایا تھا، میدانِ جنگ میں ان کی موجودگی، کارکردگی اور خدمت گذاری باب جہاد کا ایک حسین ترین عنوان ہے اور وہ سچ بات یہ ہے کہ ایک الگ تحقیقی مطالعہ کا موضوع ہے۔

ام ایمن انہیں مجاہدات اور سرفروش خواتین میں سے ایک تھیں جنھوں نے رسول اکرم ﷺ کے ساتھ بعض غزوات میں شرکت کی تھی اور جہاد وقتال کے میدان میں اپنے حصہ کا فریضہ انجام دیا تھا، ان کا زیادہ تر کام زخمیوں کی دوا دارو کرنا اور سپاہیوں کو پانی پلانا وغیرہ غیر فوجی کام ہی بتایا گیا ہے لیکن امکان ہے کہ اس کے علاوہ بھی انھوں نے اور دوسرے فرائض انجام دیے ہوں کہ میدانِ جنگ اپنے خاص تقاضے رکھتا ہے، غزوۂ بدر میں خواتین بالخصوص حضرت ام ایمن کی شرکت کا سوال نہیں پیدا ہوتا کہ اصلاً رسول اکرم ﷺ قریش سے جنگ کے لئے نہیں تشریف لے گئے تھے بلکہ شام

سے واپس آنے والے قریشی کارواں کے ارادے سے گئے تھے، بدر کی جنگ بلا ارادہ و منصوبہ پیش آگئی تھی لہذا اس میں مرد غازیانِ کرام کی شرکت ہی ضرورت سے کم تھی تو خواتین کی شرکت کیا ہوتی البتہ بعد کے دوسرے غزوات منصوبہ بند تھے اور ان میں خواتین بھی باقاعدہ شریک کی گئی تھیں، حضرت ام ایمنؓ کی شرکت جہاد کی روایات غزواتِ احد، خیبر و حنین وغیرہ کے حوالے سے ملتی ہیں۔

غزوۂ احد ۳ھ / ۶۲۵ء ابن سعد نے واقدی کی روایت میں صرف یہ بیان کیا ہے کہ حضرت ام ایمن نے جنگِ احد میں شرکت کی، وہ پانی پلاتی اور زخمیوں کی دوا دارو کرتی تھیں (ابن سعد ۸/۲۲۵) مگر بلاذری نے اس واقعہ کے ساتھ دوسرا دلچسپ جنگی واقعہ بھی بیان کیا ہے "رسول اکرم ﷺ کی انا حضرت ام ایمن انصار کی کچھ خواتین کے ساتھ مسلمانوں کو پانی پلا رہی تھیں، دشمن سپاہی حبان ابن العرقہ نے ان کو ایک تیر کا نشانہ بنایا جس نے ان کے دامن کے ذیل کو زمین میں پیوست کر کے ان کا ستر کھول دیا، دشمن اپنی حرکتِ ناشائستہ پر خوب ہنسا، رسول اکرم ﷺ نے حضرت سعد بن ابی وقاص زہری کو ایک تیر دے کر فرمایا کہ اس کا نشانہ لو، حضرت سعد نے تیر چلایا جو اس کو جا لگا اور اس نے اس کا کام تمام کر دیا وہ لڑھک کر گرا تو رسول اکرم ﷺ ہنس دیے کہ آپؐ کے دندانِ مبارک کھل گئے، آپؐ نے فرمایا: سعد نے ان کا بدلہ لے لیا، پھر ان کو دعا دی کہ اللہ تعالیٰ تمہاری دعا کو ہمیشہ قبول فرمائے اور تمہاری تیراندازی کو پکا کر دے (بلاذری ۱/۳۲۰، نیز ابن حجر، اصابہ ۴/۴۱۶)، دوسری خواتین احد تھیں: حضرت ام سلیم بنت ملحان، حضرت عائشہ، حمنہ بنت جحش اور حضرت ام ایمن۔

اسی غزوہ کا ایک اور واقعہ بلاذری نے یہ نقل کیا ہے کہ غزوۂ احد میں قریشی شہسوار دستہ کے اچانک حملے کی بنا پر جب افراتفری پھیل گئی اور کچھ مسلمان مجاہدوں کے پاؤں اکھڑ گئے تو حضرت ام ایمن بھاگنے والوں کے چہروں پر خاک پھینک کر ان کو غیرت دلانے لگیں: "بھگوڑو کہاں بھاگے جاتے ہو، واپس لوٹو......" (بلاذری ۱/۳۲۶، واقدی ۱/۲۷۸)۔

واقدی کی روایت سے واضح ہوتا ہے کہ وہ دوبار میدانِ جنگ تشریف لے گئی تھیں اور ان کے ساتھ بعض دوسری خواتین بھی تھیں، قلعۂ حفاظت سے حضرت صفیہ بنت عبدالمطلب ہاشمی نے مسلمانوں کی ہزیمت کا دلدوز نظارہ دیکھنے کے بعد جب میدان جنگ کا رخ کیا تو بنو حارثہ کے محلے میں ان کی ملاقات حضرت ام ایمن اور بعض انصاری خواتین سے ہوئی اور وہ سب دوڑ کر خدمت نبوی میں پہونچیں اور رسول اکرم ﷺ کی خیریت دریافت کی (واقدی ۱/۲۸۸-۲۸۹)۔

(باقی)

تقویمِ اسلامی کا آغاز

جناب حافظ سید عزیز الرحمٰن صاحب ☆

ہجری تقویم اسلام کی چند اہم خصوصیات میں سے ایک ہے، اس کا شمار شعائرِ اسلام میں بھی ہوتا ہے، یہ تقویم عہد نبوی ﷺ کے اہم واقعے کی جانب منسوب ہے، جسے مورخین اور اہل سیر ہجرتِ مدینہ کے نام سے یاد کرتے ہیں۔

ہجرتِ مدینہ ہجرت مدینہ، غزوات اور فدائیت کی تاریخ کا ایک اہم سنگِ میل ہے، سرفروشی اور جاں نثاری کی نہ جانے کسی قدر قیمتی داستانیں اس واقعے سے مربوط ہیں، قسامِ ازل نے ہجرتِ مدینہ کو ان گنت شرف عطا فرمائے ہیں، یہ شرف بھی ازل سے اسی کی قسمت میں لکھا تھا کہ آئندہ لیل و نہار کی گردشوں کا شمار بھی اسی سے ہوگا۔

آنحضرت ﷺ کی مکہ مکرمہ سے ہجرت اور مکے سے مسلمانوں کی انتقالِ آبادی اگرچہ ظاہری طور پر قریش مکہ کی ایذا رسانیوں کے سبب سے تھی، مگر درحقیقت خالقِ کائنات نے اپنے پسندیدہ دین، دین اسلام کی عظمت و شوکت اور سیادت کا سکہ بٹھانے اور اس کی ضیاء پاش کرنوں سے سارے عالم کو منور کرنے کے لئے جو وقت متعین کیا تھا، اس کا آغاز اسی ہجرتِ مدینہ سے ہوا۔

ہجرت مدینہ سے یہ بھی ثابت ہوا کہ اسلام اپنی دیگر خصوصیات کے علاوہ ایک مکمل سیاسی نظام بھی رکھتا ہے جو اسلامی ریاست و سلطنت کی بنیاد ہے، نیز اس کی تعلیمات دیگر مذاہب اور دنیا میں مروج نظاموں کی طرح محض تخیلاتی یا کاغذی و کتابی نہیں بلکہ ہر طرح سے قابل قبول، قابل عمل اور لائق نفاذ ہے۔

☆ نائب مدیر ششماہی السیرہ عالمی، کراچی، پاکستان۔

جبکہ ہجرت سے قبل مسلمان مکے میں کمزور حالت میں تھے، انہیں نہ مذہبی آزادی حاصل تھی نہ ان کے پاس سیاسی اقتدار موجود تھا اور نہ ہی معاشی اعتبار سے ان کو بے فکری، اطمینان اور سکون حاصل تھا، ہر طرح کا اختیار اور مکمل اقتدار دشمنوں اور مخالفین کے پاس تھا، تمدن اور معاشرت کے لوازم سے بھی مکہ کے مسلمان محروم تھے اس لئے یہاں رہ کر وہ اسلام کے سیاسی و معاشرتی نظام کی تشکیل کے بارے میں سوچ بھی نہیں سکتے تھے، اس کے برعکس مدینہ منورہ میں خالق کائنات نے ایسے اسباب بہم کردیے تھے جو اس کام کے لئے ضروری اور مناسب تھے، مدینہ منورہ میں جو لوگ ابتدا میں مسلمان ہوئے وہ ان قبائل سے تعلق رکھتے تھے جن کے پاس اس ریاست کی زمام کار پہلے ہی سے موجود تھی اور ان پر کسی دوسرے کا کوئی تسلط نہ تھا، اس لئے ہجرتِ مدینہ کے بعد مسلمانوں کو مکمل انداز میں یہ موقع ملا کہ وہ ایک نئے معاشرے کی تشکیل اسی جس کی بنیاد خالص اسلامی اصولوں پر استوار ہو اور جو زندگی کے تمام مراحل میں دور جاہلیت سے یکسر مختلف اور ہر لحاظ سے منفرد و ممتاز ہو اور اس عالم گیر دعوت کا نمائندہ ہو جس کی خاطر مسلمان گزشتہ ۱۳ رسال سے مخالفین اسلام اور دشمنان دین کی مختلف الجہت اور مختلف النوع سازشیں، مصیبتیں اور مشقتیں برداشت کرتے چلے آرہے تھے، یہ تھا تقویم اسلامی کے ہجرت مدینہ سے آغاز کا تاریخی پس منظر، اگر دیکھا جائے تو اسلامی تقویم کے آغاز کے لئے اس سے بڑھ کر کوئی اور مناسب واقعہ یا موقع ہو ہی نہیں سکتا تھا۔

تقویم اسلامی کی اہمیت

تقویم اسلامی کے معاملے کا فیصلہ حضرت عمرؓ نے کافی غور و خوض اور دیگر صحابہ کرامؓ سے طویل مشورے کے بعد کیا تھا، مہتم بالشان معاملات میں حضرت عمرؓ کا یہی طریقہ کار ہوتا ہے، تقویم دراصل کسی قوم کی شناخت اور تعارف کا ٹائٹل ہوتا ہے، مولانا ابوالکلام آزاد لکھتے ہیں:۔

> "قومی زندگی کے مقدمات میں سے ایک نہایت اہم چیز سنہ اور تاریخ ہے جو قوم اپنا سنہ نہیں رکھتی وہ گویا اپنی بنیاد کی ایک اینٹ نہیں رکھتی، قوم کا سنہ اس کی پیدائش اور ظہور کی تاریخ ہوتا ہے، یہ اس کی قومی زندگی کی روایات قائم رکھتا اور صفحۂ عالم پر اس کے اقبال و عروج کا عنوان ثبت کردیتا ہے، یہ قومی زندگی

> کے ظہور و عروج کی ایک جاری و قائم یادگار ہے، ہر طرح کی یادگاریں مٹ سکتی ہیں لیکن یہ نہیں مٹ سکتی، کیوں کہ سورج کے طلوع و غروب اور چاند کی غیر متغیر گردش سے اس کا دامن بندھ جاتا ہے اور دنیا کی عمر کے ساتھ ساتھ اس کی عمر بھی بڑھتی رہتی ہے"(۱)۔

عربوں میں تقویم کا رواج

عربوں میں چوں کہ لکھنے پڑھنے کا زیادہ رواج نہ تھا، اس لئے تقویم اور ماہ و سال کے حساب کا بھی کوئی خاص طریقہ مقرر نہ تھا، نہ ان کا کوئی خاص سن تھا، اس لئے اگر کوئی بات بیان کرنی ہوتی تو کسی اہم واقعے سے ماہ و سال کا حساب کرلیا کرتے تھے، چنانچہ ابن الجوزی عامر الشعبی کی سند سے روایت کرتے ہیں کہ جب روئے زمین پر آدمؑ کی اولاد کی تعداد زیادہ ہوگئی اور وہ اطراف و اکناف میں پھیل گئے تو انہوں نے ہبوطِ آدمؑ سے تاریخ شمار کی، یہ سلسلہ طوفانِ نوح تک جاری رہا، وہاں سے نارِ خلیل تک تاریخ کا حساب کرتے رہے، پھر یوسفؑ کے واقعے سے تاریخ کا حساب کیا گیا، وہاں سے حساب بنی اسرائیل کے مصر سے نکلنے کے واقعے سے تاریخ شمار ہوئی، پھر حضرت عیسیٰؑ کے زمانے کو بنیاد بنایا گیا(۲)۔

واقدی کا قول یہ ہے کہ تاریخ کا شمار پہلے حضرت آدمؑ سے طوفان نوح تک تھا، پھر نارِ خلیل تک، وہاں سے بنو اسماعیل نے تعمیرِ کعبہ سے تاریخ شمار کی، وہاں سے معد بن عدنان کے زمانے تک، پھر وہاں سے کعب بن لوی کے عہد تک اور وہاں سے عام الفیل تک تاریخ شمار کی گئی(۳)۔

نیز حمیر والے اپنے بادشاہ تبع کے عہد سے تاریخ کا حساب کرتے تھے، غسان والے سدِ مآرب کے پھٹنے سے اور صنعا والے یمن پر حبشیوں کی فتح اور بعد ازاں ایرانیوں کے غلبے سے، بعد میں عرب اپنی لڑائیوں سے حساب تاریخ رکھا کرتے تھے، مثلاً بسوس، داحس اور غبرا کی لڑائی سے اور ذی قار اور حرب فجار جیسے معرکوں سے(۴)۔

اسلام آجانے کے بعد بھی مسلمانوں کا یہی طرز عمل قائم رہا اور اب سورتوں کے نزول کی نسبت سے واقعات یاد رکھے جانے لگے، ہجرت کے بعد جب منکرین سے قتال کی اجازت ملی اور سورۂ حج نازل ہوئی تو کچھ عرصے تک یہ واقعہ بطور سن استعمال ہوا، پھر جب سورۂ براءۃ کا نزول ہوا تو سنۂ براءۃ چل پڑا، آخر میں سنۂ الوداع مشہور ہوا، جو حجۃ الوداع کے بعد رائج ہوا(۵)۔

یہ بھی کہا گیا ہے کہ سن ہجرت کے آغاز سے قبل لوگ ہر سال کو اس واقعے کا نام دیتے تھے جو اس میں وقوع پذیر ہوتا تھا اور اسی سے تاریخ بتاتے تھے، چنانچہ حضور اکرم ﷺ کے مدینہ منورہ میں قیام کا پہلا سال مکہ سے ہجرت کی اجازت کا سال کہلاتا تھا، دوسرا سال جنگ کے اذن کا اور تیسرا التمحیص (آزمائش) کا(۶)۔

یہی وجہ ہے کہ اس دور کی تاریخیں گڈمڈ ہیں اور انبیائے کرام اور دیگر تاریخی واقعات کے بارے میں بڑا اختلاف تاریخ پایا جاتا ہے۔

اسلامی تقویم کی ضرورت اسلامی تقویم کی ضرورت کب، کیسے اور کیوں پیش آئی؟ اس کے متعلق کئی روایات ملتی ہیں، جن کا تذکرہ ذیل میں علاحدہ علاحدہ کیا جاتا ہے:۔

پہلی روایت: حاکم نے "اکلیل" میں ابن شہاب زہری سے روایت نقل کی ہے، وہ کہتے ہیں:۔

لما قدم النبی ﷺ المدینة امر بالتاریخ فکتب فی ربیع الأول ۔ (۷)
جب نبی کریم ﷺ مدینہ منورہ تشریف لائے تو آپ ﷺ نے تاریخ لکھنے کا حکم فرمایا، سو ربیع الأول سے اس کا آغاز ہوا۔

یہی روایت ابوجعفر بن نحاس نے اپنی کتاب صناعة الکتاب میں بھی ذکر کی ہے(۸) اور قلقشندی نے بھی ابن شہاب زہری ہی سے یہ روایت نقل کی ہے(۹)، لیکن حافظ ابن حجرؒ نے اس روایت کو معضل قرار دیتے ہوئے کہا ہے کہ مشہور قول اس کے خلاف ہے(۱۰)، لیکن اس کے برعکس یہی روایت یعقوب بن سفیان نے ان الفاظ سے نقل کی ہے:۔

التاریخ من یوم قدم النبی ﷺ المدینة مهاجراً (۱۱)۔
اسلامی تاریخ کا آغاز اس روز سے ہوا جب حضور اکرم ﷺ ہجرت فرماتے ہوئے مدینہ منورہ تشریف لائے تھے۔

ابن عساکر نے بھی اسی کو درست قرار دیا ہے اور زیادہ صحیح بات بھی یہی ہے کہ تقویم اسلامی کا آغاز حضرت عمر بن الخطابؓ کے حکم اور صحابۂ کرامؓ کے مشورہ سے ہوا(۱۲)، البتہ آغاز کے لئے ہجرت مدینہ کے اہم واقعے کو بنیاد بنایا گیا جیسا کہ تفصیل آگے آئے گی۔

دوسری روایت: دوسری روایت ابوطاہر بن محمش الزیادی نے "تاریخ الشروط" میں ذکر کی ہے اور اسے علامہ جلال الدین سیوطی نے بھی نقل کیا ہے، روایت یہ ہے:۔

ان رسول الله ﷺ أرخ بالهجرة حين كتب الكتاب لنصارى نجران و امر عليا ان يكتب فيه حين كتب عنه (۱۳)۔
رسول اللہ ﷺ نے سب سے پہلے اسلامی تاریخ کا ہجرت مدینہ سے آغاز کیا، جب آپ نے نجران کے نصاریٰ کو خط ارسال کیا اور حضرت علیؓ کو اس خط پر تاریخ ڈالنے کا حکم دیا۔

تیسری روایت: امام احمد نے سند صحیح کے ساتھ یہ روایت نقل کی ہے:۔

اول من أرخ التاريخ يعلى بن امية حيث كان باليمن (۱۴)۔
سب سے پہلے ہجری تاریخ کا آغاز یعلی بن امیہ نے کیا، جب وہ یمن میں تھے۔

چوتھی روایت: اس روایت میں ذکر ہے کہ حضرت ابوموسیٰ اشعریؓ نے جب وہ یمن کے گورنر تھے، اپنے ایک خط میں حضرت عمرؓ کی توجہ اس جانب مبذول کرائی تھی، خط کی عبارت یہ تھی:۔

انه تاتينا منک کتب ليس لها تاريخ (۱۵)۔
ہمارے پاس آپ کے جو خطوط آتے ہیں ان پر کوئی تاریخ درج نہیں ہوتی۔

پانچویں روایت: میمون بن مہران کی روایت میں ہے کہ:۔

رفع لعمر صک محله شعبان، فقال ای شعبان، الماضی، او الذی نحن فیه، او الآتی؟ ضعوا الناس شیئا، یعرفونه من التاریخ (۱۶)۔
حضرت عمرؓ کے سامنے ایک چیک لایا گیا، اس پر شعبان تحریر تھا، حضرت عمرؓ نے فرمایا، کون سا شعبان؟ جو گزر گیا ہے یا جو جاری ہے یا جو آنے والا ہے؟ لوگوں کی سہولت کے لئے کوئی نظام طے کرو، تاکہ وہ تاریخ کا صحیح علم رکھیں۔

یہ روایت احمد بن حنبل اور ابوعروبہ نے الاوائل میں، بخاری نے الادب المفرد میں اور حاکم نے بھی میمون بن مہران سے نقل کی ہے(۱۷)۔

چھٹی روایت: اس سلسلے کی ایک روایت ابن ابی خیثمہ کی ابن سیرینؒ سے ہے، وہ فرماتے ہیں کہ ایک شخص یمن سے آیا، اس نے بتایا کہ میں نے ایک نئی چیز دیکھی ہے، جسے تاریخ کہا جاتا ہے، اس میں یوں لکھتے ہیں "من عام کذا و بشہر کذا" یعنی فلاں سال اور فلاں مہینہ، حضرت عمرؓ نے اسے پسند فرمایا اور اسلامی تقویم، تقویم ہجری کا آغاز فرمادیا(۱۸)۔

اس روایت کو ابوداؤد طیالسی نے بھی نقل کیا ہے(۱۹) اور سخاوی کے ہاں بھی یہ

روایت موجود ہے۔

روایات پر ایک نظر

آگے بڑھنے سے پہلے مناسب معلوم ہوتا ہے کہ ہم ان روایتوں پر جن میں کسی قدر اختلاف اور تضاد پایا جاتا ہے سند و متن اور درایت کے اعتبار سے ایک نظر ڈالتے چلیں تاکہ درست نتائج تک پہنچنا ہمارے لیے آسان ہوسکے۔

۱۔ پہلی روایت میں یہ ذکر ہے کہ حضور اکرم ﷺ نے آغاز تاریخ کا حکم دیا اور ربیع الاول سے آغاز ہوا، لیکن اس روایت کو معضل قرار دیا گیا ہے، نیز یہی روایت اس کے برعکس یعقوب بن سفیان نے ان الفاظ میں نقل کی ہے کہ اسلامی تاریخ کا آغاز واقعۂ ہجرت سے ہوا، ان الفاظ سے بھی اس روایت کا مفہوم واضح اور متعین اور تعارض ختم ہوجاتا ہے، اس کے علاوہ ابن حجرؒ اور سخاویؒ وغیرہ نے بھی یہی لکھا ہے کہ مشہور اور محفوظ روایت یہ ہے کہ تاریخ کا آغاز حضرت عمرؓ کے زمانے میں ہوا (۲۱)۔

۲۔ دوسری روایت میں یہ ذکر ہے کہ اہل نجران کو آنحضور ﷺ نے جو خط تحریر کیا تھا، اس میں حضرت علیؓ کو تاریخ تحریر کرنے کا حکم دیا تھا، مگر یہ بات بھی غور طلب ہے کیوں کہ اہل نجران کے نام آپ ﷺ کے خطوط جن کتب میں تحریر ہیں ان میں کہیں بھی تاریخ کا ذکر نہیں ہے، تمام بغیر تاریخ کے ہیں (۲۲)، نیز آپ ﷺ کے چھ خطوط مبارکہ دست یاب ہوگئے ہیں، جن کے عکس متعدد کتب میں شائع ہوچکے ہیں (۲۳)، یہ تمام خطوط ۵ر ہجری کے بعد کے تحریر کردہ ہیں، ان میں بھی کسی میں تاریخ موجود نہیں ہے، اس بارے میں تفصیلی بحث مضمون کے آخر میں آئے گی۔

۳۔ تیسری روایت امام احمد کی ہے، اس میں یعلی بن امیہ کے بارے میں ذکر ہے کہ انہوں نے یمن میں تاریخ اسلامی کا آغاز کیا تھا، اگرچہ یہ روایت سند صحیح کے ساتھ روایت کی گئی ہے مگر اس میں عمرو بن دینار اور یعلی بن امیہ کے مابعد انقطاع ہے۔

۴۔ چوتھی، پانچویں اور چھٹی روایات معناً قریب تر ہیں، ان میں زیادہ فرق نہیں ہے، یہ عین ممکن ہے کہ یہ تمام اسباب اس موقع پر جمع ہوگئے ہوں، واللہ اعلم۔

حضرت عمرؓ نے کب تاریخ کا آغاز کیا

اسلامی تاریخ کے آغاز کے سلسلے میں حضرت عمرؓ کے مشورے کے بارے میں تین اقوال مذکور ہیں، ۱۶ر ہجری، ۱۷ر ہجری، ۱۸ر ہجری (۲۴)

جبکہ علامہ شبلیؒ نعمانی نے ''الفاروق'' میں ۲۱ر ہجری کا قول نقل کیا ہے (۲۵)، ابوموسیٰ اشعری اور ابن سیرینؒ سے ۱۷ر ہجری کا قول نقل کیا گیا ہے (۲۶) اور محمد بن اسحاق نے زہری اور شعبی سے بھی ۱۷ر ہجری کا ہی قول نقل کیا ہے (۲۷)، ابن عساکر نے حضرت سعید بن المسیبؒ سے نقل کیا ہے کہ بار خلافت سنبھالنے کے ڈھائی برس کے بعد محرم کو حضرت عمرؓ نے اس کا فیصلہ کیا (۲۸)، اس اعتبار سے بھی ۱۶ر ہجری ہی بنتا ہے کیوں کہ حضرت عمرؓ کی خلافت کا آغاز ۱۳ر ہجری، جمادی الآخر میں ہوا تھا (۲۹)، یعقوبی نے بھی ۱۶ر ہجری کا قول اختیار کیا ہے، وہ ۱۶ر ہجری کے واقعات میں لکھتا ہے:۔

''اسی زمانے (۱۶ر ہجری) میں حضرت عمرؓ نے ارادہ کیا کہ ضبط کتابت کے لئے ایک تاریخ قرار دے دی جائے، پہلے انھیں خیال ہوا کہ آنحضرت ﷺ کی ولادت سے شروع کریں، پھر خیال کیا کہ آپ ﷺ کی بعثت مبارکہ سے ابتدا کی جائے، لیکن حضرت علیؓ نے مشورہ دیا کہ ہجرت سے آغاز کیا جائے، سو حضرت عمرؓ نے ان کا مشورہ قبول کرتے ہوئے ہجرت نبویؐ سے اسلامی تقویم کے آغاز کا فیصلہ فرمادیا'' (۳۰)۔

نیز ابن سعد کا بیان ہے:۔

''حضرت عمرؓ وہ پہلے شخص ہیں، جنھوں نے ربیع الاول ۱۶ر ہجری سے اسلامی تقویم کا آغاز کیا، چنانچہ تاریخ لکھنے کے سلسلے کا آغاز انھوں نے نبی کریم ﷺ کے مکہ سے مدینہ ہجرت فرمانے کے واقعے سے کیا'' (۳۱)۔

ان تمام روایات کے تتبع سے بھی یہی بات درست معلوم ہوتی ہے کہ حضرت عمرؓ کے دور میں ۱۶ر ہجری میں اسلامی ہجری تقویم کا آغاز ہوا، واللہ اعلم۔

حضرت عمرؓ کے سامنے یہ مسئلہ پیش ہوا تو انھوں نے حسب عادت صحابہ کرام کو جمع کرکے اس میں ان کا مشورہ چاہا، مختلف باتیں سامنے آئیں، جس کی تفصیل کتب تاریخ میں موجود ہے، مشورے میں ہرمزان کو بھی طلب کیا گیا، وہ ایرانی شہنشاہ کی جانب سے خوزستان کے گورنر تھے اور مسلمان ہونے کے بعد مدینہ منورہ میں مقیم تھے، حضرت عمرؓ ان سے بھی اہم معاملات میں مشورے کرتے تھے، ہرمزان نے بتایا کہ ہمارے ہاں ایک حساب موجود ہے جسے ماہ روز کہتے ہیں

اسی کو عربی میں مؤرخہ بنالیا گیا اور تاریخ کو اس کا مصدر قرار دیا گیا لیکن بعض دوسرے حضرات کے خیال میں جن میں اہل لغت کی ایک بڑی جماعت شامل ہے، یہ لفظ عربی الاصل ہے اور ''الارخ'' سے مشتق ہے جو نیل گائے کے نر بچے کو کہا جاتا ہے، اس کی جمع آراخ اور اراخ آتی ہے، ابومنصور جوالیقی کے بقول الارخ وقت کو کہتے ہیں اور التاریخ توقیت کو (۳۲)۔

بالآخر یہ فیصلہ ہوا کہ ہجرت مدینہ سے اسلامی تقویم کا آغاز کیا جائے، اس بارے میں روایات مختلف ہیں کہ کس کی رائے سے ہجرت کے آغاز تقویم کا فیصلہ ہوا؟ امام محمد بن یوسف الصالحی الشامی لکھتے ہیں کہ جن امکانی صورتوں پر اتفاق ہوا اور جن سے آغاز تقویم ہوسکتی تھی وہ چار تھیں، ۱۔ آپ ﷺ کی ولادت باسعادت سے، ۲۔ بعثت مبارکہ سے، ۳۔ ہجرت سے، ۴۔ وفات سے، ان میں سے ولادت اور بعثت کے وقت کے بارے میں اس قدر اختلاف تھا کہ ان کا سال متعین نہیں ہوسکتا تھا، اس لئے انہیں چھوڑ دیا گیا، وفات سے اس لئے آغاز تقویم نہیں کیا گیا کہ وہ واقعہ رنج والم اور افسوس وصدمے کا باعث تھا، اب صرف ہجرتِ مدینہ باقی رہ گئی، چنانچہ اسی سے آغاز کردیا گیا (۳۳)۔

اور حاکم نے سعید بن المسیب سے بیان کیا ہے کہ جب حضرت عمرؓ نے صحابۂ کرام کو جمع کیا اور ان سے مشورہ کیا کہ تاریخ کا آغاز کس واقعے سے کیا جائے تو حضرت علیؓ نے فرمایا:۔

من یوم هاجر النبی ﷺ و ترک ارض الشرک. اس روز سے آغاز کریں جب نبی کریم ﷺ نے ہجرت فرمائی تھی اور سرزمین شرک (مکہ مکرمہ) کو چھوڑا تھا۔

چنانچہ حضرت عمرؓ نے یہ تجویز قبول کرلی (۳۴)، ابن عساکر نے بھی سعید بن المسیب سے اسی طرح نقل کیا ہے (۳۵) اور مقریزی نے بھی حضرت سعید بن المسیب کے حوالے سے یہی ذکر کیا ہے، وہ لکھتا ہے:۔

> ''حضرت عمرؓ نے صحابۂ کرام کو جمع کیا اور ان سے مشورہ کیا کہ کس روز سے اسلامی تاریخ کا آغاز کیا جائے، پس حضرت علیؓ نے فرمایا کہ اس روز سے جس روز رسول اللہ ﷺ نے ہجرت فرمائی تھی اور مکہ کو چھوڑا تھا، سو حضرت عمرؓ نے اسی طرح کیا'' (۳۶)۔

یعقوبی کے بیان سے بھی پتہ چلتا ہے کہ یہ تجویز حضرت علیؓ کی پیش فرمودہ تھی جب کہ ابونعیم نے شعبی کے طریق سے حضرت ابوموسیٰ اشعری سے یہ روایت کی ہے کہ یہ تجویز خود حضرت عمرؓ کی تھی اور ان کا استدلال یہ تھا کہ چوں کہ ہجرت مدینہ حق وباطل کے مابین فرق کرنے کا سبب بنی ہے، اس لئے اسی کو تقویم اسلامی کے آغاز کی بنیاد بنایا جائے (۳۷)، ایک خیال کے مطابق یہ تجویز ہرمزان کی طرف سے پیش کی گئی تھی (۳۸)، لیکن عام طور پر حضرت عمرؓ اور حضرت علیؓ کا نام ہی آتا ہے، ان میں بھی زیادہ تر روایات حضرت علیؓ ہی کے بارے میں ہیں، اس لئے اس تجویز کی نسبت ان ہی کی جانب درست معلوم ہوتی ہے اور حضرت عمرؓ کی جانب اس تجویز کو اس لئے منسوب کردیا گیا کہ انہوں نے حضرت علیؓ کی تجویز کی تائید کی تھی اور اس پر عمل درآمد بھی ان ہی کے حکم سے ہوا، واللہ اعلم۔

محرم سے سال کا آغاز

پھر یہ مسئلہ درپیش ہوا کہ ہجرت ربیع الاول میں ہوئی تھی اور عربوں کے رواج کے مطابق ان کے سال کا آغاز محرم سے ہوا کرتا تھا، اس لئے علامہ شبلی کی رائے کے مطابق تقریباً سوا دو مہینے پیچھے ہٹتے ہوئے محرم الحرام سے سن ہجری کا آغاز کرلیا گیا (۳۹)، دوسری رائے اس مسئلے میں یہ ہے کہ ہجرت کے ارادے اور اس سفر کی منصوبہ بندی کی ابتدا محرم ہی سے ہوئی تھی، کیوں کہ بیعت عقبہ ذی الحجہ کے وسط میں ہوئی تھی (۴۰) اور یہی بیعت ہجرتِ مدینہ کی تمہید اور نقطۂ آغاز تھا اور اس کے بعد پہلا مہینہ محرم ہی تھا (۴۱) اور ابونعیم کی روایت میں ابوموسیٰ سے مروی ہے کہ ''پھر یہ تجویز پیش ہوئی کہ رمضان سے آغاز ہو یا محرم سے'' محرم کو اس لئے قبول کرلیا گیا کہ فریضۂ حج کی ادائیگی کے بعد حجاج کی واپسی اسی مہینے میں ہوتی تھی (۴۲)، جب کہ ابن سیرین سے ابن ابی خیثمہ نے نقل کیا ہے کہ بعض نے رجب سے آغاز کی تجویز پیش کی تھی اور بعض نے رمضان سے اور بعض نے محرم سے، حضرت عثمانؓ نے فرمایا:۔

ارخوا من المحرم، فانه شهر حرام. وهو اول السنة، و منصرف الناس من الحج. محرم سے تاریخ کا آغاز کرو کیوں کہ یہ مہینہ اشہر حرام میں سے ہے اور (عرب کے رواج کے مطابق بھی) یہ سال کا پہلا مہینہ ہے اور حج سے لوگوں کی واپسی بھی اسی مہینے میں ہوتی ہے (۴۳)۔

علامہ منصور پوری نے بھی اس تجویز کو حضرت عثمانؓ کی جانب منسوب کیا ہے (۴۴)۔

عبید بن عمیر فرماتے ہیں:۔

ان المحرم شهر الله وهو رأس السنة ، يكسى البيت ، و يؤرخ به الناس (۴۵)۔ بلاشبہ محرم اللہ کا مہینہ ہے، اسی سے سال کا آغاز ہوتا ہے اور بیت اللہ کا غلاف تبدیل کیا جاتا ہے اور اسی سے لوگ تاریخ کا حساب رکھتے ہیں۔

جب کہ سعید بن منصور نے ''سنن'' میں اور بیہقی نے شعب الایمان میں سورۂ الفجر کی تفسیر میں ابن عباسؓ سے نقل کیا ہے کہ وہ فرماتے ہیں:۔

هو فجر المحرم ، فجر السنة (۴۶)۔ والفجر میں فجر سے مراد محرم کی ''فجر'' ہے جس سے سال کا آغاز ہوتا ہے

بعینہ یہی قول حضرت قتادہ سے بھی منقول ہے (۴۷)۔

جبکہ سہیلی کا کہنا ہے کہ صحابۂ کرام نے ہجرت نبوی ﷺ کو اسلامی تقویم کا نقطۂ آغاز قرار دینے کے لئے اس قرآنی حکم کو بھی پیش نظر رکھا ہے جو اہل قبا کی شان میں وارد ہوا ہے، فرمان باریٔ تعالیٰ ہے:۔

لَمَسْجِدٌ اُسِّسَ عَلَى التَّقْوٰى مِنْ اَوَّلِ يَوْمٍ اَحَقُّ اَنْ تَقُوْمَ فِيْهِ (توبہ: ۱۰۸) البتہ وہ مسجد جس کی بنیاد روز اول سے ہی تقوے پہ رکھی گئی ہے، اس لائق ہے کہ آپ اس میں (نماز کی غرض سے) کھڑے ہوں۔

کیوں کہ یہ بات تو معلوم ہے کہ اس آیت میں ''اول یوم'' سے مطلق یوم مراد ہے نہیں ہے، اس سے یہ متعین ہوگیا کہ یہ کسی مضمر شئی کی طرف مضاف ہے اور وہ اول روز وہی ہوسکتا ہے جب اسلام کو عزت ملی اور نبی کریم ﷺ نے امن و اطمینان کی حالت میں اپنے پروردگار کی عبادت کی اور اس کی ابتدا بنائے مسجد سے ہی ہوئی تھی، اس امر سے صحابۂ کرام کی رائے اس روز سے تاریخ اسلامی کے آغاز کرنے میں موافق ہوگئی اور ہم نے صحابۂ کرام کی رائے سے یہ سمجھا کہ اول یوم سے یہاں اسلامی تاریخ کا روز اول مراد ہے (۴۸)، لیکن ابن حجر کے بقول اس سے متبادر یہی معنی ہیں کہ ''اول یوم'' سے مراد مدینہ منورہ میں آپ ﷺ کے داخلے کا روز اول ہے (۴۹) اور

زرقانی نے ابن منیر کے حوالے سے سہیلی کی توضیح کو تکلف و تعسف قرار دیا ہے (۵۰)۔

نتیجۂ گفتگو یہ ہے کہ چوں کہ عام طور پر عربوں کے ہاں بھی سال کا آغاز محرم الحرام سے ہوتا تھا، اس لئے اسلامی تقویم کے لئے بھی اسی کو اختیار کرلیا گیا اور یہ مشورہ حضرت عثمانؓ یا حضرت عمرؓ نے دیا، اگرچہ اس کی توجیہات اور بھی ہیں، جیسا کہ بیان ہوا۔

تقویم اسلامی کے نفاذ میں تاخیر کی وجوہ

تقویم اور کلینڈر کی عام انسانی ضرورت کے پیش نظر چاہئے تو یہ تھا کہ اسلامی تقویم کا آغاز اسی وقت ہوجاتا جب مدینہ منورہ میں پہلی اسلامی ریاست کی بنیاد رکھی گئی تھی، لیکن آنحضرت ﷺ کے عہد مبارک میں تو اور دوسری نوعیت کی مصروفیات ہی اس قدر رہیں کہ اس جانب توجہ ہی نہیں دی جاسکی اور پھر چوں کہ اس وقت اسلامی سلطنت کا بالکل آغاز تھا، اس لئے غالباً ایسی فوری کوئی ضرورت بھی سامنے نہیں آئی جو مسلمانوں کو اس مسئلے پر غور و فکر پر آمادہ کرتی، آپ ﷺ کے بعد خلیفۂ اول حضرت ابوبکر صدیق کا عہد مبارک آیا، یہ دور مدت میں کم ہونے کے ساتھ ساتھ لاتعداد اندرونی سازشوں اور بیرونی شورشوں میں گھرا ہوا تھا، جس سے عہدہ برا ہونا صدیق اکبرؓ ہی کا کام تھا، وہ ان کی جانب متوجہ رہے اور یہ اہم کام فوری ضرورت نہ ہونے کے سبب ان کی ترجیحات میں نہ آسکا۔

پھر جب خلیفۂ ثانی حضرت عمرؓ فاروق کا دور مبارک آیا تو اس وقت ایک تو سابقہ تمام رکاوٹیں بھی دور ہوچکی تھیں، دوسرے پھیلتی ہوئی سلطنت کے ساتھ حکومتی اور انتظامی امور بھی وسعت اختیار کرچکے تھے اور ہر شعبے میں اصلاحات، ترقیاتی کام اور تعمیراتی سرگرمیاں عروج پر تھیں، اس بنا پر ایک تقویم کی ضرورت محسوس کی گئی...... اس طرح تقویم اسلامی کا آغاز ہوا اور یہ افضلیت و شرف بھی ان ہی کے حصے میں آیا (۵۱)، جیسا کہ ایک روایت بھی ہے کہ حضرت عمرؓ نے صحابۂ کرام کو جمع کرکے فرمایا کہ مال بہت زیادہ ہونے لگا ہے اور ہماری تقسیم کا کوئی وقت مقرر نہیں ہے، آخر اس کو ٹھیک ٹھیک یادرکھنے کی کیا تدبیر کی جائے (۵۲)، اس کے بعد مشورے سے یہ طے پایا۔

تقویم اسلامی کی خصوصیات

آخر میں اسلامی ہجری قمری تقویم کا دیگر تقویموں سے تقابل کرتے ہوئے اس کے امتیازات اور خصوصیات بیان کئے جاتے ہیں، یہ خصوصیات ذیل ہیں:۔

(الف) اسلامی تقویم کی ایک اہم خصوصیت یہ ہے کہ آغاز سے اب تک یہ اپنی مجوزہ

صورت پر قائم ہے، اس میں کوئی تبدیلی واقع نہیں ہوئی، چوں کہ یہ شرعی اور دینی تقویم ہے، اس لئے اس میں ترمیم کا حق کسی فرد بشر کو حاصل نہیں، یہ خصوصیت غالباً دنیا کی کسی دوسری مروجہ تقویم اور سن میں نہیں پائی جاتی (۵۳)۔

(ب) دوسری خصوصیت یہ ہے کہ متداول ہونے اور استعمال کے لحاظ سے بھی تقویم ہجری دنیا کے اکثر مروجہ سنین سے قدیم ہے، اگرچہ وہ سنین اپنے اعداد کے اعتبار سے ہجری تقویم سے زیادہ پرانے معلوم ہوتے ہیں، مثال کے طور پر ذیل کی صورتوں پر غور کیجئے:۔

۱۔ یکم محرم ۱/ہجری مطابق ۱۶/جولائی ۵۳۳۵ جولین بنتا ہے، اس طرح جولین پیریڈ کا سن بظاہر سن ہجری سے ۵۳۳۴ برس پہلے کا معلوم ہوتا ہے، حالانکہ یہ تقویم حقیقت میں سن ہجری سے ۹۸۹ برس بعد ۱۵۸۲ء میں وضع ہوئی ہے۔

۲۔ یکم محرم ۱/ہجری کو ۳۔آب ۴۳۸۲ عبری تھا، اس طرح بظاہر یہ سن ہجری سے ۴۳۸۱ برس پہلے کا معلوم ہوتا ہے، حالانکہ یہ ۱۵۸۲ء میں وضع ہوا ہے۔

۳۔ سن کل جگ سن ہجری سے ۳۷۲۳ سال پہلے کا معلوم ہوتا ہے، مگر مغربی مورخین اور ہیئت داں تسلیم کرتے ہیں کہ یہ سن چوتھی صدی عیسوی میں وضع کیا گیا تھا، یعنی اپنے حساب سے ۳۴ صدیاں گزرنے کے بعد اس کا آغاز ہوا تھا۔

۴۔ سن سکندری سن ہجری سے ۹۳۲ سال پہلے کا ہے، مگر اپنی موجودہ ہیئت میں نوزائیدہ ہے، کیوں کہ یہ شروع میں کئی صدیوں تک قمری مہینوں پر چلتا رہا ہے، بعد میں اسے شمسی مہینوں میں تبدیل کردیا گیا۔

۵۔ سمت بروشتہ کے مطابق یکم محرم ۱/ہجری کو ۲۶/ساون سمت ۶۷۹ تھا، اس لئے بظاہر سمت بروشتہ سن ہجری سے ۶۷۸ سال پہلے کا معلوم ہوتا ہے مگر ہندو اور مغربی محققین کی تحقیقات کے مطابق اس کا آغاز ۸۹۸ بروشتہ سے ہوا ہے، اس طرح یہ سن ہجری کے ۲۲۵ سال بعد شروع ہوتا ہے (۵۴)۔

(ج) اسلامی تقویم کی ایک خصوصیت یہ ہے کہ یہ تقویم کسی خاص شخصیت سے وابستہ نہیں ہے، بلکہ ایک ایسے واقعے سے اس کا تعلق ہے جو پورے مذہب اسلام کے حوالے سے اپنی

اہمیت رکھتا ہے، یوں اس کی بنیاد روحانی بھی ہے، یہ خصوصیت رائج الوقت دیگر تقاویم میں نہیں ہے، بیرونی آثار الباقیہ میں لکھتا ہے:۔

''قوموں کا طریقہ اس بارے میں یہ رہا ہے کہ بانیان حکومت و مذاہب کی پیدائش، بادشاہوں کی تخت نشینی، انبیاء کی بعثت، ملکوں کی فتح و تسخیر، سلطنت کے انقلاب وانتقال اور حوادث عظیمہ ارضیہ سے تواریخ سنین کی ابتدا کیا کرتے ہیں'' (۵۵)۔

چنانچہ ایسے بہت سے سنین جو اس دور میں رائج تھے یا آج موجود ہیں، وہ کسی نہ کسی شخصی واقعے کی طرف منسوب ہیں، مثلاً:۔

۱۔ بابلی سن بخت نصر اول کی پیدائش کے وقت سے شروع کیا گیا تھا۔ ۲۔ یہودی سن کا مصر سے خروج کے واقعے سے آغاز ہوتا ہے۔ ۳۔ سن عیسوی حضرت عیسیٰؑ کی پیدائش کی طرف منسوب ہے۔ ۴۔ رومی سن پہلے پہلے سکندر اعظم کی پیدائش سے اور پھر آگسٹس کی پیدائش سے شروع ہوا۔ ۵۔ ہندوستانی سن راجہ بکرماجیت کی پیدائش سے شروع کیا گیا تھا۔ ۶۔ ایرانیوں میں بھی جس قدر سن رائج ہوئے ان سب کی ابتدا پیدائش، تخت نشینی اور کسی ایک خاندان سے دوسرے خاندان میں انتقال حکومت کے واقعے سے ہوتی ہے اور اس رسم کے بانی اور مؤسس بھی ایرانی ہی ہیں کہ ہر بادشاہ گذشتہ سن منسوخ کرکے اپنی تخت نشینی کا نیا سن جاری کرے اور اسے سن جلوس کہا جائے (۵۶)، ۷۔ جب کہ عربوں میں لکھنے پڑھنے کا کوئی خاص رواج نہ ہونے کی وجہ سے ان کا خاص سن نہیں تھا، بلکہ وہ مخصوص واقعات کے اعتبار سے اپنے سالوں کا حساب رکھا کرتے تھے، چنانچہ آپ ﷺ کی ولادت سے قریب کے زمانے میں ابرہہ کا حملہ عرب کا خاص واقعہ تھا، اس کا اعتبار کرتے ہوئے ان کے ہاں عام الفیل رائج تھا، اس کی کچھ تفصیل پہلے گزر چکی ہے۔

(د) اس ہجری قمری تقویم میں ہفتے کا آغاز جمعۃ المبارک سے ہوتا ہے (۵۷)۔

(ہ) ہجری تقویم میں شرک، نجوم پرستی یا بت پرستی وغیرہ کا شائبہ تک نہیں ہے، اس کے مہینوں اور دنوں کے ناموں کو کسی دیوی یا دیوتا سے کوئی نسبت نہیں (۵۸)۔

(و) سابقہ شریعتوں میں بھی دینی مقاصد کے لئے یہی قمری تقویم رائج تھی، بعد میں لوگوں نے اس میں تحریف اور ترمیم کرتے ہوئے اسے قمریہ شمسی یا صرف شمسی تقویم میں بدل ڈالا،

لیکن ہجری اسلامی قمری تقویم الحمد للہ ہر طرح کے تغیر وتبدل سے محفوظ ہے (۵۹)۔

ایک غلط فہمی کا ازالہ نصاریٰ نجران کی جو روایت سخاوی کے حوالے سے پہلے بیان ہوئی ہے اس میں یہ بھی مذکور ہے: فان ثبت فیکون عمرؓ متبعا لا مبتکرا (۶۰) یعنی اگر یہ بات ثابت ہو جائے کہ تقویم کا آغاز حضور اکرم ﷺ نے خود فرمایا تھا تو حضرت عمرؓ تقویم ہجری کے سلسلے میں آپ ﷺ کی پیروی کرنے والے ہوں گے، اس کے بانی و موجد نہیں، اس سے بعض حضرات کو (۶۱) یہ غلط فہمی ہوگئی ہے کہ حضرت عمرؓ نے تقویم ہجری کا آغاز نہیں کیا تھا بلکہ اس کا آغاز آپ ﷺ کے دور میں ہی ہو چکا تھا، حالانکہ قرائن و شواہد کی رو سے یہ بات درست نہیں معلوم ہوتی کیوں کہ اکثر روایات کی موجودگی میں تنہا اہلِ نجران کی روایت کی بنیاد پر یہ فیصلہ کرنا درست نہیں، اس سلسلے میں مندرجہ ذیل امور کو پیش نظر رکھنا چاہیے:۔

۱۔ اس روایت میں ذکر ہے کہ نصاریٰ نجران کو جب آنحضرت ﷺ نے خط لکھا تو اس میں آپ ﷺ نے تاریخ لکھنے کا حکم دیا تھا، غور طلب بات یہ ہے کہ اہلِ نجران کے نام آپ ﷺ کے کئی خطوط حدیث، سیرت اور تاریخ کی کتابوں میں موجود ہیں (۶۲)، ان میں کسی میں بھی کوئی تاریخ مذکور نہیں ہے، آنحضرت ﷺ سے تعلق رکھنے والی ہر بات اور ہر چیز کی صحابۂ کرام اور بعد کے مسلمانوں نے جس طرح حفاظت کی ہے، اس کے پیش نظر یہ باور کرنا ممکن نہیں کہ انہوں نے اس تاریخ کا ذکر نہیں کیا ہوگا۔

۲۔ آپ ﷺ نے ۶ھ ہجری اور اس کے بعد مختلف سلاطین کو دعوتی خطوط تحریر فرمائے تھے، ان میں سے چھ خطوط اب بھی اپنی اصل حالت میں محفوظ ہیں اور ان کے عکس متعدد کتب میں شائع ہو چکے ہیں (۶۳)، ان میں کہیں بھی کوئی تاریخ درج نہیں ہے، حالانکہ نصاریٰ نجران کو آپ ﷺ نے یہ خط ۵ھ ہجری میں ارسال فرمایا تھا (۶۴)، اس اعتبار سے بعد کے تمام خطوط میں تاریخ درج ہونی چاہیے تھی۔

۳۔ اس روایت کو قبول کرنے والوں نے سخاوی کے جس قول کو دلیل بنایا ہے وہ خود اس بارے میں اپنی رائے کو حتمی قرار نہیں دیتے بلکہ صرف روایت ذکر کر کے یہ کہتے ہیں: فان ثبت فیکون ...... یعنی اگر یہ روایت ثابت ہو جائے تو حضرت عمرؓ کو حضور اکرم ﷺ کا متبع قرار دیا جائے گا

لیکن دیگر روایات سے یہ بات ثابت نہیں ہے۔

۴۔ سب سے اہم بات یہ ہے کہ اگر یہ معاملہ حضور اکرم ﷺ کے عہد مبارک میں طے ہو گیا تھا تو پھر حضرت عمرؓ نے کس بارے میں مشورہ کیا تھا، جس کے متعلق روایات بالکل واضح اور اس کثرت سے ہیں کہ ان کے مقابلے میں کسی شاذ یا ثانی روایت کو ترجیح دینا ممکن نہیں۔

۵۔ ابن عباسؓ سے روایت ہے:

''نبی کریم ﷺ کے مدینے آنے تک وہاں تاریخ کا دستور نہ تھا، چنانچہ وہ آپ ﷺ کی تشریف آوری سے ایک مہینہ، دو مہینے شمار کرنے لگے اور ان کا یہی چلن رہا تا آنکہ رسول اللہ ﷺ کا زمانہ اور عمرؓ کی خلافت کے چار سال بھی یوں ہی گزرے۔ اس کے بعد تاریخ وضع کی گئی'' (۶۵)۔

اس کی روشنی میں بھی نجران کے نصاریٰ کی روایت مرجوح ٹھہرتی ہے۔

۶۔ امام احمد، بخاری، ابن عساکر، ابن سیرین، حاکم، سعید بن المسیب، ابن حجر وغیرہ کی روایات اور ذاتی آرا (۶۶) سے یہی بات ثابت ہوتی ہے کہ سلسلۂ تقویم اسلامی کے موسس حضرت عمرؓ ہیں، ان ہی کے عہدِ مبارک میں صحابۂ کرام کے مشورے سے یہ تقویم وضع کی گئی۔

ان نکات کی روشنی میں اس بارے میں نصاریٰ نجران والی روایت پر کوئی اعتماد نہیں کیا جا سکتا۔

خلاصۂ بحث اس تمام بحث کا خلاصہ یہ ہے کہ آنحضرت ﷺ کی زندگی اور عہدِ مبارک میں ضرورت نہ ہونے کے سبب اسلامی تقویم کا آغاز نہ ہو سکا، آپ ﷺ کے بعد عہدِ صدیق اکبرؓ کے مختصر ایام میں بھی گوناگوں مشکلات اور مہمات کے سبب اس جانب توجہ نہ دی جا سکی، البتہ عہد فاروق اعظمؓ میں جب ضرورتیں بڑھیں اور اسلامی ریاست وسیع ہوئی تو حضرت عمرؓ فاروق کی توجہ اس جانب مبذول ہوئی، انہوں نے صحابۂ کرام کے مشورے اور حضرت علیؓ کی رائے سے ہجرت نبوی ﷺ کو اسلامی تقویم کا آغاز قرار دے کر اس سے اسلامی سال کا آغاز کیا، پھر چوں کہ ہجرت مدینہ ربیع الاول میں ہوئی تھی اور عربوں کا سال محرم سے شروع ہوتا تھا، اس لئے حضرت عثمانؓ کے مشورے سے محرم سے اسلامی سال کا آغاز ہوا اور یکم محرم الحرام ۱ھ ہجری مطابق ۱۶ جولائی ۶۲۲ء۔ ۱۶ جولائی ۵۳۳۵ جیولین، ۳ آب ۴۳۸۲ عبری، ۲۶ ساون ۶۷۹ سمت کو ہجری

تقویم کا نقطۂ آغاز قرار دیا گیا (۶۷)، جب کہ ہجری تقویم کا باقاعدہ آغاز اور پہلی مرتبہ استعمال عہد فاروقی میں ۳۰؍ جمادی الاخری ۱۷؍ھ مطابق ۱۲؍ جولائی ۶۳۸ء کو ہوا (۶۸)، واللہ اعلم بصوابہ وعلمہ اکمل و اتم، وصلی اللہ تعالی علی خیر خلقہ محمد و آلہ و اصحابہ اجمعین۔

حواشی وحوالہ جات

(۱) مولانا ابوالکلام آزاد / رسول رحمت / ترتیب، مولانا غلام رسول مہر / شیخ غلام علی اینڈ سنز، لاہور / ص ۲۰۳ (۲) شمس الدین محمد بن عبدالرحمن السخاوی / الاعلان بالتوبیخ / اردو ترجمہ ڈاکٹر سید محمد یوسف / مرکزی اردو بورڈ، لاہور، جون ۱۹۶۸ء / ص ۱۷۵ (۳) ایضاً (۴) ایضاً / ص ۱۷۶ (۵) شاہ مصباح الدین شکیل / سیرت احمد مجتبیٰ / پاکستان اسٹیٹ آئیل، کراچی ۱۹۹۶ء / ج ۲ / ص ۵۶ (۶) الاعلان / ص ۱۷۴ (۷) ابوجعفر محمد بن جریر طبری م ۳۱۰ھ / تاریخ الرسل والملوک / بیروت / ج ۲ / ص ۳۸۸ / ابن الحجر العسقلانی م ۸۵۲ھ / فتح الباری / قدیمی کتب خانہ، کراچی / ج ۷ / ص ۳۴۱، محمد بن عبدالباقی الزرقانی / شرح المواہب اللدنیہ / دارالمعرفۃ، بیروت، ۱۹۹۳ء / ج ۱ / ص ۳۵۲، محمد بن یوسف الصالحی الشامی / سبل الہدی والرشاد / دارالکتب العلمیہ، بیروت، ۱۹۹۳ء / ج ۱۲ / ص ۳۶ (۸) شیخ عبدالحی الکتانی / نظام الحکومۃ النبویۃ المسمی التراتب الاداریہ / دار الکتاب العربی، بیروت / ص ۱۸۰ (۹) قلقشندی / صبح الاعشی، بیروت / ج ۶ / ص ۲۴۰ (۱۰) ابن حجر / فتح الباری / ج ۷ / ص ۳۴۱، معضل وہ روایت جس میں مسلسل دو یا اس سے زیادہ راوی موجود نہ ہوں (۱۱) سبل الہدی والرشاد / ج ۱۲ / ص ۳۶ (۱۲) ایضاً / طبری / ج ۲ / ص ۳۸۸ (۱۳) تراتب الاداریہ / ص ۱۸۱، اس بارے میں موصوف نے اپنی کتاب الشماریخ فی علم التاریخ میں مفصل بحث کی ہے، دیکھئے التراتب محولہ بالا، سبل الہدی والرشاد / ج ۱۲ / ص ۳۶ (۱۴) ابن حجر / فتح الباری / ص ۳۴۲، ابوالفداء اسمٰعیل بن کثیر / م ۷۷۴ھ / البدایہ والنہایہ / دارالکتب العلمیہ، بیروت، ۲۰۰۱ / ج ۳ / ص ۲۱۷، یہ روایت تلاش بسیار کے باوجود راقم کو مسند احمد میں نہیں مل سکی، مگر حاکم نے مستدرک میں اس کے الفاظ نقل کئے ہیں، ابوعبداللہ محمد بن عبداللہ حاکم / المستدرک / دارالکتب العلمیہ، بیروت، ۱۹۹۰ء / ج ۳ / ص ۴۷۹، رقم ۵۷۹۰ / ۱۳۸۸ (۱۵) ڈاکٹر حمید اللہ / الوثائق السیاسیہ / دار النفائس، بیروت، ۱۹۸۵ء / ص ۵۲۱، رقم الوثیقہ ۳۶۸ (۱۶) ابن حجر / ص ۳۴۲، سبل الہدی والرشاد / ص ۳۸، الاعلان / ۱۷۱ (۱۷) الاعلان ایضاً / ابوالیقظان نے بھی حضرت عمرؓ سے اس طرح نقل کیا ہے،

دیکھئے الاعلان محولہ بالا و سبل الہدی والرشاد / محولہ بالا (۱۸) ابن حجر / ص ۳۴۲ و سبل الہدی والرشاد، محولہ بالا (۱۹) ابن کثیر / البدایہ / ج ۳ / ص ۲۱۷ (۲۰) الاعلان / ص ۱۷۱ (۲۱) ابن حجر / فتح الباری / ص ۳۴۱ و طبری / ج ۲ / ص ۳۸۸ و سخاوی / الاعلان / ص ۱۶۸ (۲۲) ان خطوط کے لئے ملاحظہ کیجئے / ڈاکٹر حمید اللہ / الوثائق السیاسیہ / ص ۱۶۵ تا ۱۸۰ (۲۳) ان خطوط مبارکہ کے عکس کے لئے ملاحظہ کیجئے / سید فضل الرحمن / ''خطوط ہادیٔ اعظم ﷺ'' / زوار اکیڈمی پبلی کیشنز، کراچی (۲۴) ابن کثیر / البدایہ والنہایہ / ج ۳ / ص ۲۱۶ (۲۵) شبلی نعمانی / الفاروق / ص ۲۶۰ (۲۶) زرقانی / ج ۱ / ص ۳۵۲ (۲۷) ابن کثیر / ج ۳ / ص ۲۱۶۔ ۲۱۷ و شامی / سبل الہدی والرشاد / ج ۱۲ / ص ۳۷ (۲۸) شامی ایضاً / ص ۳۸ (۲۹) ابن کثیر / البدایہ والنہایہ / ج ۸ / ص ۱۸ (۳۰) احمد بن ابی یعقوب / تاریخ یعقوبی / دار صادر، بیروت / ج ۲ / ص ۱۴۵ (۳۱) محمد بن سعد / الطبقات الکبریٰ / دارالکتب العلمیہ، بیروت ۱۹۹۷ء / ج ۳ / ص ۲۱۳ (۳۲) شامی / ص ۴۱ (۳۳) ابن حجر / فتح الباری / ج ۷ / ص ۳۴۲، الاعلان / ص ۱۶۹ (۳۴) ابوعبداللہ محمد بن عبداللہ الحاکم / المستدرک علی الصحیحین / دارالکتب العلمیہ، بیروت ۱۹۹۰: / ج ۳ / ص ۱۵، رقم ۴۲۸۷ / ۳۱، ذہبی نے اس روایت کی موافقت کی ہے اور اسے ''صحیح'' کہا ہے (۳۵) شبلی نعمانی / الفاروق / ص ۲۶۰ (۳۶) مقریزی / امتاع الاسماع / ج ۲ / ص ۵۶ / طبع ثانی مصر (۳۷) زرقانی / ج ۱ / ص ۳۵۲ و ابن حجر / فتح الباری / ج ۷ / ص ۳۴۲ (۳۸) یہ خیال اردو دائرۂ معارف اسلامیہ، دانش گاہ پنجاب کے مقالہ نگار نے ظاہر کیا ہے، مگر اس کی تائید کسی دوسری کتاب اور مورخ کے قول سے نہیں ہوتی، دیکھئے ج ۶ / ص ۳۹ (۳۹) شبلی نعمانی / الفاروق / ص ۲۶۰ (۴۰) ابن ہشام / السیرۃ النبویۃ / دارالمعرفہ بیروت، ۱۹۷۸ء / ج ۲ / ص ۱۸۷ (۴۱) شامی / ص ۳۸ و زرقانی / ص ۳۵۲ (۴۲) شامی / ص ۳۷ (۴۳) ابن حجر / فتح الباری / ج ۷ / ص ۳۴۲ و الاعلان / ص ۱۷۲ (۴۴) قاضی محمد سلیمان سلیمان منصور پوری / رحمۃ للعالمین / شیخ غلام علی اینڈ سنز، لاہور ۱۹۷۳ء / ج ۲ / ص ۳۵۱ (۴۵) ابن کثیر / البدایہ والنہایہ / ج ۳ / ص ۲۱۷ (۴۶) ابوالفضل شہاب الدین سید محمود الوسی بغدادی / روح المعانی / داراحیاء التراث العربی، بیروت ۱۹۸۵ء / ج ۳۰ / ص ۱۱۹ (۴۷) قاضی ثناء اللہ عثمانی پانی پتی، م ۱۲۲۵ھ / تفسیر مظہری / ادارہ اشاعت العلوم ندوۃ المصنفین، دہلی / ج ۱۰ / ص ۲۵۳ (۴۸) عبدالرحمن بن عبداللہ السہیلی / الروض الانف / دار المعرفہ بیروت ۱۹۷۸ء / ج ۲ / ص ۲۴۶ (۴۹) ابن حجر / فتح الباری / ج ۷ / ص ۳۴۱ (۵۰) زرقانی / ج ۱ / ص ۳۵۲ (۵۱) سید فضل الرحمن / ہادی

اعظم ﷺ رزوار اکیڈمی پبلی کیشنز، کراچی ۲۰۰۰ء رج ارص ۳۲۲ ـ ۳۲۳ (۵۲) الاعلان رص ۱۷۳ (۵۳) پروفیسر ظفر احمد رالسیر ۃ النبویہ، توقیتی تضادات کا جائزہ رمشمولہ ششماہی السیرہ عالمی رمدیر سید فضل الرحمن رزوار اکیڈمی پبلی کیشنز کراچی رشمارہ ۱، جون ۱۹۹۹ء رص ۱۶۹ (۵۴) سلیمان منصور پوری ررحمۃ للعالمین رج ۲ رص ۳۵۱ (۵۵) ابوالکلام آزاد ررسول رحمت رص ۲۰۷ (۵۶) رحمۃ للعالمین رص ۳۵۱ (۵۷) پروفیسر ظفر احمد رالسیرہ، شمارہ ارص ۱۶۹ (۵۸) ایضاً (۵۹) ایضاً رص ۱۷۵ (۶۰) الکتانی ر التراتب الاداریہ رص ۱۸۱ (۶۱) ملاحظہ کیجئے: Journal of Islamic Studies, Karachi University. / Editor in Chief Prof. Dr. Abdul-Rashid. by Prof. Dr. M. Tahir Mallick. / The Hijra Calendar Asymbol of Islamic Culture. P.12. (۶۲) دیکھئے ڈاکٹر حمید اللہ رالوثائق السیاسیہ رص ۱۶۵ تا ۱۸۰ (۶۳) ملاحظہ کیجئے حوالہ نمبر ۲۳ (۶۴) الکتانی رص ۱۸۱ (۶۵) الاعلان رص ۱۷۳ (۶۶) ابن حجر رفتح الباری رص ۳۴۱ ـ ۳۴۲ و شامی رص ۷۳۷ ـ ۷۳۸ (۶۷) اردو دائرۂ معارف اسلامیہ رج ۲۳ رص ۱۲۴ (۶۸) رحمۃ للعالمین رج ۲ رص ۳۵۱ و اردو دائرۂ معارف اسلامیہ محولہ بالا۔

☆☆☆☆

علی گڑھ اور دہلی میں دارالمصنفین کی مطبوعات ملنے کے پتے

۱۔ مکتبہ جامعہ شاخ، شمشاد مارکیٹ، علی گڑھ۔

۲۔ ایجوکیشنل بک ہاؤس، شمشاد مارکیٹ، علی گڑھ۔

۳۔ مکتبہ اسلام، پان والی کوٹھی دودھ پور، علی گڑھ۔

۴۔ البلاغ پبلی کیشنز، اعظمی اپارٹمنٹ، فلیٹ نمبر N1 - 10، ابوالفضل انکلیو جامعہ نگر، نئی دہلی - 110025

ابان لاحقی اور اس کی شاعری

مترجمہ: مولوی حافظ ضیاء الرحمن اصلاحی ☆

ابان لاحقی ایک نظم گو شاعر کی حیثیت سے معروف ہے، اس کے دور میں نظم گوئی کو بڑی شہرت و مقبولیت حاصل ہوئی، اس کا ایک بڑا کارنامہ بنی برمک کے لئے کلیلہ و دمنہ کا عمدہ منظوم ترجمہ ہے کہا جاتا ہے کہ ہر وہ منثور کتاب جو منظوم کی گئی اس کی اصل عبارت نظم کے مقابلہ میں زیادہ فصیح ہے بجز کلیلہ و دمنہ کے اس منظوم ترجمہ کے۔

ابن المعتز نے جو خود شاعر و نقاد تھا، ابان کو ابونواس جیسے اعلا درجہ کے شاعر پر ترجیح دی ہے، مگر افسوس ہے کہ ایسے بلند پایہ نظم گو شاعر کی جانب عام تذکرہ نویسوں نے بہت کم اعتنا کیا ہے، اس لئے اس مضمون میں اس کے حالات و سوانح اور شاعری پر بحث و گفتگو کی جائے گی۔

مصادر ہمیں ابان کا ذکر سب سے پہلے جاحظ کی شہرۂ آفاق کتابوں کتاب الحیوان اور البیان والتبیین میں ملتا ہے، کتاب الحیوان میں جاحظ نے اس کو مزاح کا شاعر لکھا ہے اور البیان میں اس کے شعری محاسن پر گفتگو کرتے ہوئے اس کو یحییٰ بن نوفل، سلم الخاسر اور خلف بن خلیفہ سے بلند پایہ قرار دیا ہے۔

جاحظ کے بعد ابن المعتز کی طبقات الشعرا میں ابان کا تذکرہ ملتا ہے، اس سے ابونواس کے ساتھ ابان کے سوانح کے بعض پہلو بھی سامنے آتے ہیں اور یہی متاخرین ادبا کا اصل ماخذ ہے، تیسری صدی ہجری کی ان کتابوں کے بعد چوتھی صدی ہجری کی مندرجہ ذیل پانچ اہم کتابوں میں ابان کا تذکرہ ہے۔

☆ شعبہ تصحیح و کتب خانہ دارالمصنفین، شبلی اکیڈمی، اعظم گڈھ

۱۔ **کتاب العقد الفرید لابن عبد ربہ** (م ۳۲۸ھ): اس میں ابان کے مختصر سوانح اور مختصر اشعار درج ہیں۔

۲۔ **کتاب الوزراء والکتاب للجهشیاری** (م ۳۳۰ھ): اس میں ابان کا بہت مختصر ذکر ہے۔

۳۔ **کتاب الاوراق للصولی** (م ۳۵۵ھ): یہ کتاب ابان کے بیشتر اشعار پر محیط ہے اور اس میں تقریباً ۵۰ صفحات میں اس کے سوانح مذکور ہیں، اس لحاظ سے یہ کتاب ابان کی شاعری کے مطالعہ کے لئے کلیدی ماخذ کی حیثیت رکھتی ہے۔

۴۔ **کتاب الأغانی للاصفهانی** (م ۳۵۶ھ): اس میں ابان کے تذکرہ کا زیادہ تر حصہ کتاب الاوراق سے ماخوذ ہے، البتہ کچھ اشعار کی تخریج بھی کاوش سے کی گئی ہے۔

۵۔ **کتاب الفهرست لابن الندیم** (م ۳۸۰ھ) ندیم نے ابان کی نظموں اور ان کتابوں پر بحث کی ہے جن کو ابان نے نظم کیا ہے۔

پانچویں صدی ہجری کے دو اہم مصنفین ابن رشیق (م ۴۵۶ھ) اور خطیب بغدادی (م ۴۶۴ھ) نے ابان کے سوانح لکھنے کا اہتمام کیا ہے۔

چھٹی صدی ہجری میں کوئی تصنیف ایسی نہیں ملتی جس میں ابان کا بالاستیعاب تذکرہ ہو۔ البتہ ساتویں صدی ہجری میں ابن الابار (م ۶۵۸ھ) نے "اعتاب الکتاب" میں، آٹھویں صدی ہجری میں صفدی (م ۷۶۴ھ) نے "الوافی بالوفیات" میں اور نویں صدی ہجری میں ابن تغری بردی (م ۸۱۳ھ) نے "النجوم الزاہرۃ" میں اور گیارہویں صدی ہجری میں حاجی خلیفہ (م ۱۰۶۷ھ) نے "کشف الظنون" میں اور عبدالقادر بغدادی (۱۰۹۳ھ) نے "خزانۃ الادب" میں ابان کے حالات اور کارناموں پر روشنی ڈالی ہے۔

یہ تمام کتابیں ابان کے حالات میں اہمیت کی حامل ہیں، گو جاحظ کو ابان کے پہلے سوانح نگار کی حیثیت حاصل ہے مگر صولی اس کے تمام تذکرہ نگاروں میں مشمولات کی جامعیت کے لحاظ سے علانیہ ممتاز ہے۔

شعری ماخذ تذکرہ شعراء کے موضوع پر قدما اور متاخرین کی تصنیفات میں ابان کے کسی دیوان

کا تذکرہ نہیں ملتا۔

ابن ندیم نے الفہرست میں لکھا ہے کہ اس کے اکثر اشعار مثنوی اور مخمس کی شکل میں تھے، اس سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ تغزل سے زیادہ اس کی طبیعت کا رجحان نظم گوئی کی جانب تھا، اس لئے اس کی نظموں کی تعداد کا زیادہ ہونا خلاف توقع نہیں ہے، اس خیال کی تائید اس سے بھی ہوتی ہے کہ کلیلہ و دمنہ کا منظوم ترجمہ ۱۴ ہزار اشعار پر مشتمل ہے، اس کا ایک قصیدہ "ذات الحلل" کے نام سے ہے، جو غلطی سے ابوالعتاہیہ کی جانب منسوب ہوگیا ہے، علاوہ ازیں ایک قصیدہ میں روزہ کے فضائل منظوم کئے ہیں اور ایک قصیدہ میں نوشیرواں اور اردشیر کی منظوم سوانح لکھی ہے، ان کے علاوہ چند اور منظوم کتابیں اس کی جانب منسوب ہیں مثلاً بلوہر بوذاسف، کتاب الرسائل اور کتاب حکم الہند وغیرہ۔

گو اس سے ابان کے منظومات کی کثرت کا ثبوت ملتا ہے، لیکن ان کا اکثر حصہ ضائع ہو چکا ہے، اس وقت منظوم کلیلہ و دمنہ کے صرف ۷۶، قصیدۂ ذات الحلل کے پانچ اور قصیدہ صوم کے ۱۲۷ اشعار دستیاب ہیں۔

ابان کی غزلیں یوں بھی بہت کم ہیں، چنانچہ کتاب الاوراق میں بعض جگہ چند متفرق اشعار مذکور ہیں، مستشرق جیمس ہارڈن نے خاص اس کی غزلوں پر ایک کتاب لکھی ہے اور اس موضوع پر بیروت سے بھی اس کی کئی مطبوعات منظر عام پر آئیں لیکن یہ کتابیں مزید تحقیق و جستجو سے لکھے جانے کے لائق ہیں، حال ہی میں ابان کے اشعار مطبعہ نازک سابا یاردنے ایک کتاب (فی فلک ابی نواس) میں شائع کئے ہیں، لیکن اخذ و استفادہ کے اصول پر پوری نہ اترنے کی وجہ سے یہ کتاب مقبول نہیں ہوسکی۔

خاندان و نسب نامہ صولی نے ابان کا سلسلۂ نسب یہ لکھا ہے، ابان بن عبدالحمید بن لاحق بن عفر، عفر کا نام اصفہانی نے عفیر لکھا ہے اور متاخرین کی بھی یہی رائے ہے، اس سے معلوم ہوتا ہے کہ "عفر" کتابت کی غلطی ہے، وہ بنو رقاش کے غلام تھے۔

تعجب ہے کہ صاحب کشف الظنون نے ابان کو بغدادی الاصل رقاشی شاعر لکھا ہے، حالاں کہ متقدمین نے یہ تصریح کردی ہے کہ وہ بصرہ میں پیدا ہوا تھا اور بعد میں بغداد میں سکونت

اختیار کرلی تھی، وہ بنو رقاش سے نسبت ولاء رکھتا تھا، نسباً رقاشی نہیں تھا۔

کتاب العمدہ میں یہ صراحت موجود ہے کہ ابان کے دادا لاحق، والد عبدالحمید اور اس کا بیٹا حمدان اور پوتا سب کے سب شاعر تھے، صولی نے ان میں سے چند کا مختصر حال لکھا ہے۔

ابان اپنے دادا کے نام لاحق کی نسبت سے لاحقی کہلاتا تھا۔

ولادت ابان کا سن ولادت متعین طور پر معلوم نہیں ہوسکا، ہمارے علم کے مطابق وہ بصرہ میں پیدا ہوا اور ایک عرصہ تک وہیں مقیم رہا، بصرہ میں قیام کے دوران وہاں کے اوباشوں کی مصاحبت رہی، ۱۸۰ھ میں جب وہ بغداد آیا تو یحیی بن خالد بن برمک، جو کہ ہارون رشید کا وزیر تھا، کا مصاحب ہوگیا، ابان نے یحیی کے لئے کلیلہ و دمنہ منظوم کی تاکہ وہ بہ آسانی اس کو حفظ کرسکے، جس کے صلے میں اس کو یحیی نے دس ہزار دینار انعام دیا، یحیی نے ابان کو اس کام پر بھی مامور کیا تھا کہ وہ شعراء کے دواوین سے آل برمک کی تعریف میں کہے گئے قصائد کو علاحدہ کرے اور باقی حصے تلف کردے، اس مقصد سے یحیی نے ابان کے لئے دواوین بھی فراہم کئے تھے۔

وفات ابن تغری بردی کی تصریح کے مطابق ابان کا سن وفات ۲۰۰ھ ہے جب کہ صاحب کشف الظنون نے ۲۲۰ھ لکھا ہے۔

ہم عصر شعراء سے تعلقات ابونواس کا بیان ہے کہ ابان نے جب شعر گوئی کا آغاز کیا تو عجرد، حماد الراویہ، حماد بن زبرقان، یونس بن ہارون، علی بن خلیل، یزید بن فیض، جمیل بن محفوض، مطیع بن ایاس اور والبہ بن حباب جیسے آوارہ گرد شعراء سے اس کی مصاحبت رہتی تھی، عجرد کا کہنا ہے کہ ان شعراء میں یونس سب سے زیادہ لہو و لعب کا دلدادہ تھا، اس نے شہنشاہ روم کے لئے عربوں اور ان کے مذہب کی ہجو و تنقیص میں ایک کتاب بھی لکھی تھی مگر ابان کا تعلق ان شعراء سے زیادہ دنوں تک نہیں رہا تاہم جب اس نے شعراء کے دواوین کی تہذیب و تنقیح کی ذمہ داری قبول کی تو پھر ان سے اس کا تعلق استوار ہوگیا تھا۔

بصرہ میں قیام کے دوران جن شعراء سے ابان کے تعلقات رہے ان میں ایک شاعر معذل بن غیلان تھا، عیسی بن جعفر بن منصور جب بصرہ کا والی مقرر ہوا تو معذل اس کے ساتھ بصرہ آیا، ابان اور معذل کے تعلقات اسی زمانے میں قائم ہوئے، یہ دونوں عرصے تک ایک

دوسرے کی ہجو کرتے رہے، سب سے قبیح ہجو جو معذل نے ابان کی کی ہے وہ یہ ہے:

رأیت أبانا یوم فطر مصلیا　　فقسم فکری واستفزنی الطرب

میں نے ابان کو عید الفطر کی نماز پڑھتے دیکھا، یہ دیکھ کر میرے خیالات منتشر ہوگئے اور میں سراسیمہ ہوگیا۔

وکیف یصلی مظلم القلب دینه　　علی دین مان إن ذاك من العجب

ایک دین بیزار اور سیاہ قلب جس کا مانوی فرقہ سے تعلق ہے آخر کیسے نماز پڑھ رہا ہے یہ تو بڑے تعجب کی بات ہے

ان اشعار سے پتہ چلتا ہے کہ وہ فرقہ مانویہ سے تعلق رکھتا تھا اور صحیح العقیدہ نہ تھا، جب کہ بعض لوگ ان اشعار کو شاعرانہ شوخی یا لطف و تفریح پر محمول کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ ان کا تعلق اعتقاد سے نہیں ہے۔

ابان کا ایک اور شاعر دوست ابوالنضیر تھا، یہ دونوں بھی ایک دوسرے کی ہجو کرتے تھے، نضیر کی ہجو تو محفوظ نہیں ہے، البتہ ابان نے اس کی ہجو اس طرح کی ہے:

إذ قامت بو اكيك　　وقد هتكن استارك

جب تجھ پر نوحہ کرنے والیاں کھڑی ہوں گی اس حال میں کہ وہ تیرے پردہ کو چاک کریں گی۔

أیثنین علی قبر　　ك أم یلعن احجارك

ایا وہ تیری قبر کی تعریف کررہی ہوں گی یا تیری قبر کے پتھروں پر لعنت کررہی ہوں گی۔

وما تترك فی الدنیا　　اذا زرت غدا نارك

تو نے دنیا میں چھوڑا کیا ہے، جب تو کل اپنی جہنم کو دیکھے گا۔

تری فی سقرا المثوی　　وابلیس غدا جارك

تو قعر جہنم میں نظر آئے گا اور ابلیس تیرا پڑوسی ہوگا۔

ابان کے دوست شعراء میں ابن مناذر سے اس کو کافی لگاؤ تھا، اس نے ازراہ مذاق اس سے کہا: ''تم تو مرثیے کے شاعر ہو، مگر میرا مرثیہ نہ کہنا''۔

مروان بن ابی حفصہ کو ابان سے حسد تھا، مروان نے اپنے ایک دوست سے ہارون رشید کی بے توجہی اور انعام و نوازش میں کمی کی شکایت کی تو اس نے کہا تمہارا برا ہو، رشید کی عنایات کے باوجود تم اس کے شاکی ہو، مروان نے کہا تمہیں میری شکایت پر تعجب

کیوں ہے، مجھے تمام عمر ہارون رشید سے جتنا صلہ ملا، ابان نے صرف ایک قصیدہ لکھ کر اس کے برابر حاصل کرلیا۔

ابان، مروان کی طرح مداحی اور خوش آمدانہ اشعار کہنے کا عادی نہ تھا تاہم کبھی کبھی مروان ہی کی طرح اس کے یہاں بھی تملق اور خوش آمد کا رنگ آجاتا تھا، کہا جاتا ہے کہ ابان نے برامکہ کے سامنے اپنی اس آزردگی کا ذکر کیا کہ رشید عام شعرا پر بے دریغ انعامات کی بارش کررہا ہے اور میں آپ کی خدمت میں اثر ورسوخ اور قدر ومنزلت رکھنے کے باوجود اس تنگ دستی اور فقر وفاقہ کے دوچار ہوں۔ فضل بن یحییٰ نے کہا اگر تم مروان کا طریقہ اختیار کرو تو میں تمہارے اشعار کو بادشاہ تک پہنچادوں گا اور تم اپنے ارادے میں کامیاب ہوجاؤ گے، ابان نے کہا بہ خدا میں اسے جائز نہیں سمجھتا۔

رشید کا درباری شاعر ہونے کی وجہ سے مروان مسئلہ خلافت میں عباسیوں کا حامی تھا، ابان کی اس گفتگو سے ثابت ہوتا ہے کہ وہ مروان کے اس موقف کا مخالف تھا، لیکن ابان کے درج ذیل اشعار اس کی نفی کرتے ہیں:

نشدت بحق اللہ من کان مسلما   اعمُ بما قد قلتہ العجم والعرب

میں تمام مسلمانوں کو خدا کا واسطہ دیتا ہوں عام اس سے کہ وہ عجم ہوں یا عرب۔

اعمُ نبی اللہ اقرب زلفۃ   الیہ أم ابن العم فی رتبۃ النسب

کیا نبی کے چچا (حضرت عباسؓ) نسبی طور پر نبی سے زیادہ قریب تر ہیں یا نبی کے چچازاد بھائی (حضرت علیؓ)

وأیھما أولی بہ وبعھدہ   ومن ذالہ حق التراثِ بما وجب

دونوں میں سے کون نبی اور اس کی وصیت کا زیادہ مستحق ہے اور کس کو آپ کی میراث کا حق پہونچتا ہے۔

فان کان عباس أحق بتلکم   وکان علی بعد ذاک علی سبب

بلاشبہ حضرت عباسؓ کا حق حضرت علیؓ سے بڑھ کر ہے۔

فابناء عباس ھُم یرثونہ   کما العم لابن العم فی الارث قد حجب

تو لازماً بنو عباس ہی ان کے وارث ہوں گے جس طرح چچا کی موجودگی میں بھتیجا میراث سے محجوب ہوجاتا ہے۔

صولی نے اس قصیدہ کے چودہ اشعار نقل کئے ہیں اور ان سے بہ ظاہر یہ معلوم ہوتا

ہے کہ خلافت کے معاملہ میں وہ بنو عباس کے استحقاق کو درست سمجھتا تھا، لیکن ابان کا اصل نقطہ نظر یہ نہ تھا، چنانچہ وہ اپنے حقیقی موقف کے اظہار کے لئے اشارہ وکنایہ کا سہارا لیتا تھا، یہ قصیدہ فضل بن یحییٰ کی تحریک پر لکھا گیا تھا اور اس کا مقصد یہ تھا کہ ابان کو دربار شاہی میں مروان جیسی قدر ومنزلت حاصل ہو مگر ابان اسے سخت ناپسند کرتا تھا، برامکہ نے ابان کو اس قدر نوازا تھا کہ وہ تمام شعرائے عصر کا محسود بن گیا، جن میں دربار رشیدی کا شاعر ابن ابی حفصہ بھی تھا، ابان اس کی ہم نوائی محض اس لئے کرتا تھا کہ اگر بنو عباس اس کے حقیقی موقف سے آگاہ ہوگئے تو وہ خلیفہ کے دربار میں معتوب قرار پائے گا۔

ابونواس کی ابان سے واقفیت کی ابتدا کب ہوئی اس کا علم نہیں، تاہم دونوں کی شناسائی قدیم ہے، غالب گمان یہ ہے کہ بصرہ کے دوران قیام یہ دونوں ایک دوسرے سے ملے ہوں گے، ابونواس ہی نے ابان اور اس کے بے کار وبے پروا، سرمست اور غیر ذمہ دار ساتھیوں کو اپنے ایک ہجویہ قصیدے میں عصابۃ المجان (اوباشوں کا گروہ) سے موسوم کیا ہے، کہتا ہے:

یرید ان یتسوی   بالعصبۃ المجان

وہ چاہتا ہے کہ اوباشوں کے جتھے کی ہم سری کرے۔

دونوں کے بغداد منتقل ہونے تک دونوں کے تعلقات اسی انداز کے تھے، ابن المعتز کا بیان ہے کہ یحییٰ بن خالد نے کلیلہ ودمنہ کو منظوم کرنے کے لئے پہلے ابونواس کا انتخاب کیا تھا، جب ابان کو اس کی خبر ہوئی تو خیر خواہانہ ابونواس سے عرض کی کہ آپ کے لئے شراب اور احباب کی محفل چھوڑ دینا ممکن نہیں ہوگا، یہ مشہور زمانہ کتاب پہلی بار منظوم ہونے کو ہے، لوگ اسے ہاتھوں ہاتھ لیں گے اور بڑی دقت نظر سے اس کا مطالعہ کریں گے، اگر آپ لہو ولعب اور لذت و سرور کے مشاغل کے باوجود اس کار عظیم کی ذمہ داری قبول کرتے ہیں تو دل ودماغ کی عدم یک سوئی کی بنا پر جودت کلام اور حسن نظم کا اہتمام نہیں کرسکیں گے اور اگر آپ اس کام میں مکمل طور سے منہمک ہوگئے تو آپ کے عیش وتنعم میں خلل واقع ہوگا، اس لئے ضروری ہے کہ پہلے انجام پر اچھی طرح غور کرلیں، ابونواس کے دل پر یہ نصیحت اثر کرگئی اور تھوڑے سے غور وفکر کے بعد اس کام سے دست بردار ہوگیا اور ابان اس کام کو انجام دینے کے لئے اپنے گھر میں گوشہ نشین

ہوگیا، اس کے بیٹے کا بیان ہے کہ وہ نماز پڑھتا تھا اور تختی اس کے آگے رہتی تھی، جب نماز پڑھ لیتا تو تختی اٹھاتا اور اسے اشعار سے بھر دیتا اور پھر نماز میں مصروف ہو جاتا، مسلسل چار مہینوں کی ریاضت کے بعد جب یہ کام پایۂ تکمیل کو پہنچا تو وہ اسے لے کر یحییٰ بن خالد کے پاس گیا، جس نے دس ہزار دینار انعام دیے اور فضل بن یحییٰ نے پانچ ہزار دینار عطا کئے جس کا ایک تہائی حصہ خیرات کردیا۔

اس کے بعد دونوں شاعروں کے درمیان عداوت بڑھ گئی اور جب ابان کو شعرا کے دیوان کے انتخاب کا کام سپرد ہوا تو اس نے ابونواس کے ساتھ ناانصافی ہی کرنے پر اکتفا نہیں کیا بلکہ اس کا مذاق بھی اڑایا اور اس کی بھی تحقیر کی اور اس کے پاس ایک کھوٹا درہم بھیج کر یہ کہلایا کہ میں نے ہر شاعر کو اس کے شعر کے بہ قدر نوازا ہے، میرے پاس تمہارا کل حصہ یہی ہے، اس سے ناراض ہوکر ابونواس نے اس کی ہجو میں یہ اشعار کہے:

جالست یوما ابانا   لادر در ابان

ایک مرتبہ میں ابان کا ہم جلیس تھا، واقعہ یہ ہے کہ ابان میں کوئی اچھائی ہی نہیں ہے۔

ونحن حضر رواق الـ   امیر بالنهروان

ہم نہروان میں امیر کے رواق کے حاضرین میں تھے۔

حتی اذا ما صلاة الـ   اولی أتت لأوان

اس اثنا میں نماز کا وقت آیا۔

فقام ثم بها ذو   فصاحة و بیان

تو وہاں ایک فصیح البیان شخص نے کھڑے ہوکر اذان دی۔

فکل ما قال قلنا   الی انقضاء الأذان

اس کی اذان کے ختم ہونے تک جو کچھ وہ کہتا رہا ہم اس کو دہراتے رہے۔

فقال کیف شهدتم   بذا بغیر عیان

اس پر ابان نے کہا تم وحدانیت ورسالت کی گواہی بلا مشاہدہ کیسے دیتے ہو۔

لا اشهد الدهر حتی   تعاین العینان

میں تو کبھی گواہی نہیں دے سکتا جب تک کہ بہ چشم خود مشاہدہ نہ کرلوں۔

فقلت سبحان ربی   فقال سبحان مانی

تو میں نے کہا کہ میرا رب پاک ہے (میں بغیر مشاہدہ کے اس پر ایمان لاتا ہوں) تو اس نے کہا ہے مانی۔

ابان نے اس کے جواب میں ایک ہجو یہ قصیدہ کہا، جس کا پہلا شعر یہ ہے:

إن یکن هذا النوا   سی بلا ذنب هجانا

اگر ابونواس نے بغیر کسی جرم کے ہماری ہجو کی ہے

هانی الجون ابوه   زاده الله هوانا

تو اس کا باپ بھی کالا کلوٹا ہے، خدا اس کی روسیاہی میں اضافہ کرے۔

اس طرح ان دونوں شاعروں کے درمیان تیز وتند ہجو گوئی ہونے لگی، جس نے بالآخر برامکہ کو ابان کے خلاف برانگیختہ کردیا، ابونواس کی ہجو کا ایک شعر یہ ہے:

انت اولی بقلة الحظ منی   یا مسمی بالبلبل الصداح

اے وہ جو چہچہانے والی بلبل کے نام سے معروف ہے تو مجھ سے زیادہ بدنصیبی اور بے وقعتی کا سزاوار ہے۔

ابان نے ابونواس کو کہلا بھیجا کہ اگر وہ اس قصیدہ کو مشتہر نہ کرے تو وہ اس کو ہزاروں درہم دے گا، ابونواس نے کہا کہ اگر وہ لاکھوں درہم دے تب بھی میں اسے ضرور مشتہر کروں گا، فضل بن یحییٰ نے جب یہ قصیدہ سنا تو کہا کہ ہمیں ابان سے کیا مطلب، اس نے پانچ ایسے الزام لگائے ہیں جن میں کسی ایک کو بھی ابونواس سے واقف شخص صحیح باور نہیں کرے گا۔

<u>ابان کا عقیدہ</u> اوپر گذر چکا ہے کہ چونکہ دواوین شعرا کی ترتیب کی ذمہ داری ابان کو سپرد کی گئی تھی، اس کی بنا پر بہت سے شعرا اس کے مخالف ہوگئے تھے، جن میں سرفہرست ابونواس تھا، جس نے جوش رقابت میں ابان پر زندقہ کا الزام لگایا اور اس کو مانویہ فرقہ سے منسوب کیا اور یہ کہا کہ وہ آوارہ مزاج اور عیاش ہے۔

جاحظ نے ابان کا دفاع کرتے ہوئے لکھا ہے کہ ''اس کے اخلاق وعادات اچھے تھے، گو وہ شراب پیتا تھا، مگر نشہ میں بے قابو نہ ہوتا تھا، میں اس کو فاسد العقیدہ نہیں سمجھتا، تعجب ہے کہ ابونواس اس کو عجرد، مطیع اور والبہ کی صف میں شمار کرتا ہے''۔

جاحظ کی اس شہادت کے باوجود ابتدا ہی سے اس کے عقیدہ کے بارے میں اختلاف

رائے پایا جاتا ہے۔ جن لوگوں سے ابان کی معاصرانہ چشمک تھی وہ تو اس کو بے دین قرار دیتے ہی ہیں، مگر متاخرین میں عبدالقادر بغدادی نے بھی ان کی ہم نوائی کرتے ہوئے کہا ہے ''وہ بصرہ کا رہنے والا ایک فطری شاعر تھا، مگر مذہب کے سلسلہ میں مطعون تھا''۔ ڈاکٹر شوقی ضیف اور عبدالرحمن [illegible] وغیرہ کا بھی یہی خیال ہے، یہ لوگ ابان کو فرقہ مانویہ سے متہم اور اس کے عقیدہ کو مشکوک بتاتے ہیں۔

ابان کی شخصیت کا دوسرا ایجابی پہلو بھی کتابوں میں مذکور ہے کہ اس کے اخلاق و عقائد عمدہ تھے اور وہ عبادت کا پابند تھا، ابوزید انصاری کہتے ہیں ''وہ میرا پڑوسی تھا، میں نے اس کی شبانہ عبادتوں میں کبھی ناغہ نہیں پایا''۔ مہدی بن سابق کہتے ہیں ''ابان میرا اہم سایہ تھا، اس کا باطن ظاہر سے اچھا تھا، وہ راتوں کو نمازیں پڑھتا تھا''۔ صولی کہتے ہیں ''ابان صاحب اوصاف حمیدہ تھا، قرآن مجید کا حافظ اور فقہ اسلامی کا عالم تھا''۔ ابان خود اپنے بارے میں کہتا ہے ''میں اللہ سے امید رکھتا ہوں اور اس کی رحمت کا خواستگار ہوں، رات میں کثرت سے نوافل پڑھتا ہوں''۔

نیز ابان کے درج ذیل اشعار اس کی ایمانی کیفیت کو ظاہر کرتے ہیں:

قلت للحواری قد طولت اتعابی مالی وللشعر والقرآن اولی بی

میں نے اپنے دوستوں سے کہا کہ میں شعر کہتے کہتے تھک گیا ہوں، کب تک اسی کوچے کی خاک چھانتا رہوں گا، اب قرآن مجید میری توجہ کا زیادہ مستحق ہے۔

اشهد ان لا اله الا الهنا الخالق الكبير

میں گواہی دیتا ہوں کہ خدائے خالق وکبیر کے سوا کوئی معبود نہیں۔

محمد عبده رسول جاء بحق عليه نور

محمد ﷺ اس کے بندے ہیں، ایسے رسول ہیں جو ایک روشن حقیقت لے کر آئے۔

اسی طرح روزہ کے متعلق اس کے قصیدہ کے ابتدائی اشعار یہ ہیں:

هذا كتاب الصوم وهو جامع لكل ما قامت به الشرائع

یہ روزہ کا بیان شریعت کے تمام احکام کا جامع ہے۔

من ذلك المنزل فی القرآن فضلا على ما كان ذا بيان

اس میں قرآن کی باتیں مع شرح و بیان کے موجود ہیں۔

مگر دوسری طرف اس کے یہاں عقیدہ کو مشکوک بنانے والے اشعار اور تعبیریں بھی موجود ہیں، مثلاً اس نے اپنے بعض شعروں میں طائر تدرج کا ذکر کیا ہے۔

طائر تدرج مانویہ فرقہ کے یہاں مقدس تھا، زنادقہ اس کی وجہ سے ابتلا اور آزمائش میں ڈالے جاتے تھے، مامون کے عہد میں جب کوئی مانوی عقیدہ رکھنے والا گرفتار ہوتا تھا تو اس سے یہ کہا جاتا تھا کہ اپنے عقیدہ سے تائب ہو جاؤ ورنہ قتل کے لئے تیار رہو۔ اگر وہ شخص توبہ کر لیتا تو اس سے مانی کی تصویر پر تھوکنے اور طائر تدرج کو قتل کرنے کے لئے کہا جاتا تھا۔

اسی طرح اس کے اس شعر:

وخصلة خصت بها انه خير بنى الكفار كفارها

اس شعر کا امتیاز یہ بھی ہے کہ یہاں کے کفار تمام کافروں سے بھلے ہیں۔

میں فساشہر کی تعبیر کے اس انداز پر اعتراض کیا گیا ہے، اس کے عقیدے کے معاملے میں اس سے بھی شبہہ اور حیرت ہوتی ہے کہ اس نے مزدک کی کتاب کا منظوم ترجمہ کیا تھا جسے ابن مقفع نے فارسی سے عربی میں منتقل کیا تھا اور مزدک وہی ہے جس نے مانی کے عقائد و افکار کی تکمیل میں حصہ لیا اور وہی فلسفہ نور و ظلمت اور اشتراکیت کا داعی بھی تھا۔

شاعری میں ابان کا پایہ

ابان کی شاعری کا زیادہ حصہ تلف ہو گیا ہے مگر جو کچھ محفوظ رہ گیا ہے اس سے بھی اس کی ادبی عظمت اور بلند پائیگی ظاہر ہے، مگر اس کے باوجود اس کی شاعری کو اس درجہ شہرت و مقبولیت نہیں نصیب ہوئی جس درجہ وہ خود مشہور ہے کیوں کہ اس کا نام ابونواس جیسے مشہور شاعر کے ساتھ ہی لیا جاتا ہے اور بعض اہل فن کے نزدیک تو وہ ابونواس سے بھی فائق و برتر تھا۔ ابن المعتز کا بیان ہے کہ ''ابونواس نے کثرت سے ابان کی ہجو کی، لیکن وہ مقبول نہ ہو سکی، ابان نے ابونواس کی ہجو میں صرف تین اشعار کہے، اور وہ بہت مشہور ہوئے''۔

ابونواس بن هانی وامه جلبان

ابونواس ہانی کا بیٹا ہے اور اس کی ماں سبز مونگ ہے۔

والناس افطن شیء الی دقیق المعانی

لوگ معانی کی تہہ کو بہت تیزی سے پہنچ جاتے ہیں۔

إن زدت حرفا علی ذا یا صاح فاقطع لسانی

اگر میں اس سے ایک حرف بھی زیادہ کہوں تو اے دوست میری زبان کاٹ لینا۔

ناقدین نے شعرا کے جو مختلف طبقات قائم کئے ہیں، ابن المعتز کے خیال میں ابان ابونواس سے اعلیٰ طبقہ میں شمار کئے جانے کے لائق ہے۔ مگر انصاف کی بات یہ ہے کہ ابونواس سے ابان کم درجے کا شاعر تھا، دیگر اصناف سے قطع نظر ہجوگوئی میں بھی ابان کا مقابلہ ابونواس سے نہیں کیا جاسکتا، ابن المعتز نے جن اشعار کی وجہ سے ابونواس پر ابان کو فوقیت دی ہے وہ بعض علمائے ادب کے نزدیک ابان کے بجائے اس کے بیٹے حمدان کے اشعار ہیں اور اگر یہ اشعار الحاقی نہ ہوں تب بھی ابان ابونواس کا ہم رتبہ شاعر نہیں ہوسکتا، علامہ ابن رشیق نے ابان کے کچھ اشعار کو ابونواس کے طبقے کے شعرا عباس بن احنف اور مسلم بن ولید وغیرہ کے اشعار کے ہم پلہ قرار دیا ہے، ممکن ہے ان کی اس رائے کا تعلق ابان کے ان اشعار سے ہو جو اب ہماری دسترس میں نہیں رہے، لیکن یہ احتمال بھی قوی نہیں ہے کیوں کہ اچھے اور اعلیٰ درجے کے اشعار عموماً زبان زد اور دست برد سے محفوظ رہ جاتے ہیں۔

شاعری ابان لاحقی کی شاعری اصلاً ہجوگوئی پر مشتمل ہے، اس کے علاوہ کچھ مدحیہ قصائد، مرثیے اور غزلیں بھی اس کی یادگار ہیں، ہم پہلے اس کی ہجوگوئی پر اظہار خیال کرتے ہیں۔

ہجوگوئی ابان نے ہجو میں فحش گوئی اور سطحیت سے حتی الامکان احتراز کیا ہے، مگر اس کے مخالفوں نے اس کی جو ہجو کی ہے اس میں بڑی رکاکت و ابتذال ہے، جس کے ذکر سے ذوق سلیم سخت ابا کرتا ہے، لیکن ابان نے ان کی روش پر چلنا گوارا نہیں کیا، اس لئے اس کی ہجو میں لطافت کے ساتھ مزاح اور طنز کی خوش گوار آمیزش ہوتی ہے مثلاً اگر کوئی شخص کسی روایت کے بیان میں خطا کا مرتکب ہوتا تو ابان اس کا یہ عیب ضرور ظاہر کرتا ہے، مگر اس میں سوقیت، ابتذال اور کسی قسم کی بدنمائی نہیں آنے دیتا چنانچہ ابوالعمیس کے بارے میں کہتا ہے:

فلو کان ما قد روی عنهما سماعا ولکنه من کتاب

اگر یہ محض دو شخصوں سے سن کر روایت کی گئی ہوتی تو کوئی مضائقہ نہیں تھا، لیکن یہ بات تو کتاب کے حوالے سے بیان کی جارہی ہے۔

رأی احرفاً شبهت فی الهجاء سواءً اذا عدها فی الحساب

اس نے ہجو کے چند مشابہ اور تعداد میں برابر حروف دیکھے تو

فقال ابی الضیم یکنی اباً ولیست ابی انما هی آبي

اب کو کنیت سمجھ کر ابی الضیم کہہ دیا، جب کہ صحیح لفظ ابی نہیں بلکہ آبی ہے۔ (انکار کرنے والا)

کبھی ابان اپنے مخالفوں کے نسب پر طنز کرتا نظر آتا ہے اور کبھی کسی کی حماقت کا مذاق اڑاتا ہے، ان سب کی مثالیں اس کی ہجوگوئی میں ملتی ہیں جن کو طوالت کے خوف سے قلم انداز کیا جاتا ہے۔

اس کی ہجو کو مخالف انگیز لیتا تھا کیوں کہ اس کا مقصد نہ کسی کی عظمت پر بٹہ لگانا ہوتا ہے نہ اس کے عقائد کو مشکوک بنانا، وہ سطحیت سے خاص طور سے اجتناب کرتا ہے، مختصر یہ کہ اس طرح کی ہجو کا مقصد شخصی عیوب کی طرف اشارہ کرنا اور انسان کے قول و فعل کی اخلاقی کمزوریوں کی اصلاح ہوتا ہے۔

ابان کی شاعرانہ زبان انتہائی سہل اور شگفتگی آمیز مزاح لئے ہوتی ہے، جس سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ وہ ہجو سے محض دل لگی چاہتا ہے، اس کے بعض اشعار اس قدر انوکھے ہوتے ہیں کہ آسانی سے زبان زد خاص و عام ہوجاتے ہیں، وہ الفاظ کے انتخاب میں زیادہ محنت سے کام نہیں لیتا، یہی سبب ہے کہ اس کے کلام میں وہ مشکل تعبیرات، دقیق ترکیبیں اور معنوی ژولیدگیاں نہیں ملتیں، جو ابونواس اور مسلم بن ولید کے کلام میں پائی جاتی ہیں، اس نے بنی ثقیف کے ایک شخص کی ہجو کی، جو اس کی ہجو سلیس کا نمونہ ہے:

لما رأیت البز والشاره والفرش قد ضاقت به الحاره

میں نے جب دیکھا لالچی اور حریص لوگوں کی بھیڑ سے گلیاں تنگ پڑ گئیں۔

واللوز والسکر یرمی به من فوق ذی الدار و ذی الداره

اور اخروٹ اور شکر ہر دو طرفہ گھروں سے پھینکے جارہے تھے۔

واحضروا الملهين لم يتركوا   طبلاً و لا صاحب زماره

لوگوں نے مداریوں اور طبلہ وسارنگی بجانے والوں کو بھی بلایا تھا۔

قلت لما ذا قيل اعجوبة   محمد زوج عماره

میں نے کہا کہ عمارہ کا شوہر محمد کیوں اعجوبہ سمجھا جاتا ہے۔

لا عمر الله بها ربعه   ولا رأته مدركاً ثاره

اللہ اس کے آنگن کو عمارہ سے آباد نہ کرے اور نہ عمارہ محمد کو کبھی انتقام لیتے ہوئے دیکھے۔

ان اشعار میں سلاست اور روانی ضرور ہے، جو ابان کے اسلوب کا خاصہ ہے، مگر ان میں کسی قدر اغلاق و تعقید بھی پیدا ہوگئی ہے جس کی وجہ سے شعریت جاتی رہی اس لئے قاری کی جمالیاتی حس ان سے خاطر خواہ لطف اندوز نہیں ہو سکتی۔

ہجو میں ابان کا اسلوب عام فہم یا کم از کم اس قدر رواں ہوتا ہے کہ مقصود کلام خود بہ خود ظاہر ہو جاتا ہے۔ عسکر کی ہجو میں اس کے مندرجہ ذیل قصیدہ کو پڑھنے سے یہ اندازہ ہو سکتا ہے کہ استعارہ وتشبیہ سے گو یہ مکمل طور پر خالی ہے، مگر عام فہم ہے، وہ لکھتا ہے:

أتاني عسكر أخزا   ه من إياي قد أخزىٰ

عسکر میرے پاس اس حال میں آیا کہ وہ بھی اسی کے ہاتھوں رسوا ہوا جس نے مجھ کو رسوا کیا۔

وقد ألبست من شقو   ة جدي جبتي الخزا

یہ میری بد نصیبی ہے کہ مجھ کو عمدہ لباس پہنایا گیا۔

وكانت من تلاد مو   دع من شفق حرزا

جو کہ قدیم ہے اور اس شخص کی امانت ہے جس نے بڑی حفاظت سے اس کو اپنا حصہ بنایا ہے۔

حذار أن يراها طا   مع يوما فتبتزا

خبردار کہیں کسی لالچی کی نظر نہ پڑ جائے اور وہ اس پر قبضہ کرلے۔

فجاء القدر الجالـ   ـب بي يحفزني حفزا

تقدیر میرے پاس اس کو دھیرے دھیرے لے کر آئی

الى مستكتب يدعى   بفضل الحافظ المعزى

ایک ایسے محرر میں جس کو حافظ المعزی کے فضل کے نام سے پکارا جاتا ہے۔

فقال اكس فتىً يمنـ   ـحك الود تزد عزا

اس نے کہا کہ اس جوان کو خلعت پہناؤ جس کے سبب وہ محبت کرے گا اور تمہاری عزت بڑھے گی۔

ابان کی ہجو گوئی کا جائزہ لینے سے معلوم ہوتا ہے کہ ہجو کے اصول پر اس کا کلام پورا اترتا ہے۔

مدح ابان نے بغداد آکر فضل بن یحیٰی کی خدمت میں ایک قصیدہ پیش کرنا چاہا اتفاق سے وہ اس وقت موجود نہیں تھا، اس لئے وہ وہیں رکا رہا اور جب فضل آیا تو ابان نے فضل کے ایک ہاشمی ہم سفر کے واسطہ سے یہ اشعار نذر کئے:

يا عزيز الندى ويا جوهر الجو   هر من آل هاشم بالبطاح

اے بے نظیر سخاوت والے اور اے بطحا کے آل ہاشم کے جوہر سے نکلے ہوئے جوہر۔

ان ظني وليس يخلف ظني   بك في حاجتي سبيل النجاح

مجھے یقین ہے اور میرا یقین خطا نہیں کرتا کہ مجھے اپنے مقصد میں کامیابی آپ ہی کے ذریعہ ہو سکتی ہے۔

ان من دونها لصممت باب   انت من دون قفله مفتاحي

میری حاجت کے باب قبول پر قفل پڑا ہے اور آپ ہی اس قفل کی کنجی ہیں۔

تاقت النفس يا خليل السماح   نحو بحر الندى مجارى الرياح

اے سراپا سخی دوست نفس بخشش کے بحر بے کراں کی جانب مشتاقانہ دیکھ رہا ہے۔

ثم فكرت كيف لى واستخرت اللـ   ـه عندالامساء والاصباح

پھر میں نے سوچا کہ یہ موقع مجھے کیسے ملے گا اور میں نے صبح و شام اللہ سے استخارہ کیا۔

وامتدحت الأمير أصلحه اللـ   ـه بشعر مشهر الأوضاح

میں نے امیر کی تعریف کی۔ اللہ ان کا بھلا کرے۔ ایسے اشعار میں جو صبح روشن کی طرح تابناک ہیں۔

چنانچہ اس ہاشمی نے ابان سے کہا کہ اصل ممدوح کی شان میں کہے گئے اشعار کو پیش کرو تو اس نے کہا:

انا من بغية الامير وكنز   من كنوز الامير ذو ارباح

میں امیر کا مطلوب اور اس کے نفع بخش خزینوں میں سے ایک خزینہ ہوں۔

کاتب حاسب خطیب ادیب ... ناصح زائد علی النصاح

دبیر محاسب، خطیب، ادیب اور تمام ناصحوں سے بڑھ کر خیر خواہ ہوں۔

شاعر مفلق اخف من الریـ ... ـشة مما یکون عند الجناح

بازو کے پر کی طرح نرم ونازک اور بدیع الخیال شاعر ہوں۔

یہ قصیدہ بڑا طویل ہے، جس کے بعض اشعار زبان زد ہیں، کہا جاتا ہے کہ جب ابونواس کو اس مدحیہ قصیدہ کی خبر ہوئی تو اس نے اس کے جواب میں یہ اشعار کہے:

ان اولی بقلة الحظ منی ... المسمی بالبلبل الصیاح

میری نوازش کا سب سے کم مستحق وہ ہے جسے لوگ چیخنے والی بلبل کہتے ہیں۔

لم یکن فیك من صفاتك شی ء ... غیر خلق مدحدح دحداح

تمہارے اندر بے جا شور شرابا کے علاوہ کوئی عمدہ صفت نہیں ہے۔

لحیة ثطة و انف قصیر ... وانثناء عن التقی والصلاح

گنجان اور گھنی داڑھی اور چھوٹی ناک والے اور صلاح وتقویٰ کی راہ سے منحرف۔

فضل بن یحییٰ کی مدح میں ابان نے ایک دوسرا قصیدہ بھی کہا ہے، جس کا مطلع یہ ہے:

أ احزنك الاولی ردوا ... جمال الحی وادلجوا

کیا آپ کو ان لوگوں نے غمزدہ کر رکھا ہے جنہوں نے قبیلہ کے حسن کو غارت کردیا ہے اور روسیاہ ہوئے۔

ابان کا یہ سب سے طویل مدحیہ قصیدہ محفوظ رہ گیا ہے اور غالباً یہ اس کا سب سے عمدہ قصیدہ بھی ہے، اس میں کھنڈرات کے ذکر اور تغزل کی لطافت کے ساتھ اصل موضوع کو برقرار رکھنا اس کا شاعرانہ کمال ہے۔ نیز غنا، موسیقی اور لہو ولعب کی جانب میلان کا بھی تذکرہ آ گیا ہے۔ عباسی دور کے شعرا میں ابان کو یہ اولیت حاصل ہے کہ وہ کھنڈرات کے ذکر کے ساتھ غنا کا بھی تذکرہ کرتا ہے۔ اور انگور کے خوشوں کا ذکر کرکے اپنے متعدد اشعار میں شراب اور ٹیلوں کا جو تقابل کیا ہے، اس سے اس کی جدت طبع کا اندازہ ہوتا ہے، ابونواس کے یہاں بھی یہ انداز ملتا ہے مگر اس کے کلام میں کثرت تکرار کی وجہ سے بے لطفی پیدا ہوگئی ہے، اسی رنگ میں ابان کا یہ قصیدہ ملاحظہ ہو:

ومنزلة وقفت بها ... لادنی عهدها حجج

میں کتنی ایسی منزلوں پر رکا جہاں کچھ دنوں پہلے ٹیلوں اور کھنڈرات کے نشان تھے۔

محتها الریح یغشی التر ... ب مغناها وینتسج

انہیں ہواؤں نے مٹادیا، ہر سمت خاک اڑ رہی ہے اور راستوں کے نشان گردوغبار سے گم ہوگئے ہیں۔

نعمنا لیلة الانعا ... م حیث العرج ینعرج

وادی کے موڑ پر ہم نے اونٹوں کی پشت پر رات بھر خوش گوار سفر کیا۔

بناعمة کمثل البد ... ر شاب دلالها غنج

ایک نوخیز، سراپا ناز وادا حسینہ کے ساتھ جو چودھویں چاند کی طرح تھی۔

تغادینی المعازف عو ... دها والصنج والرنج

میری صبح ساماں طرب کے ساتھ ہوتی تھی۔

بکفی شادن لم أنـ ... ـسه فی طرفه غنج

جس کا تار نوخیز ہرنی جیسی حسینہ کے ہاتھوں میں ہوتا تھا، اس لئے اس کی آنکھوں کی سحر طرازیاں میں بھلا نہیں سکتا۔

له نغمات قینات ... بها الارواح تختلج

وہ اس خوش الحانی سے نغمہ ریز ہوتی تھی کہ روح میں اضطراب برپا ہوجاتا تھا۔

احب من الغناء ملیـ ... ـح ما ایقاعه الهزج

وہ اپنے نغمہ سے بھی زیادہ پیاری اور خوبصورت تھی، اس کی ہر حرکت نغمۂ موسیقی سے مملو ہوتی تھی۔

اس قصیدہ کو پڑھ کر کوئی یہ نہیں کہہ سکتا کہ ابان نے کسی خاص نہج واسلوب کی پیروی کی ہے۔ کیوں کہ اس نے جن صفات کا ذکر کیا ہے وہ قدما کے یہاں معروف تھیں، ابان نے فضل ابن یحییٰ کی شان میں چند قطعات بھی کہے، ایک شعر ملاحظہ ہو:

بالفضل یحسن کل مقال ... وبه تسیر غرائب الامثال

فضل کی ہر بات حسن ودل کشی سے معمور ہوتی ہے اور وہ انوکھی ضرب المثل بن جاتی ہے۔

فضل بن یحییٰ ابان کا اصل ممدوح تھا، وہ اس کے فضل وکمال پر اتنا فریفتہ تھا کہ اگر خلیفہ ہارون رشید کی مدح بھی کرتا تو فضل کی گراں قدر خدمات کو سراہے بغیر نہ رہتا، چنانچہ وہ

ہارون رشید کو مخاطب کر کے کہتا ہے:

هنيأ امير المؤمنين لك الظفر فقد تمت النعمى وقد ساعد ا قدر

امیر المومنین آپ کو فتح وظفر مبارک ہو، کیوں کہ مکمل نعمت اور تقدیر نے بھی آپ کی مساعدت کی۔

فكان هو الكنز الذى ايدت به خلافة هارون الامام وما شعر

تو یہی (فضل بن یحییٰ) وہ خزانہ ہے جس سے ہارون کے زمانہ خلافت میں مالا مال ہوا مگر اسے کسی کی کا

احساس تک نہ ہوا۔

ایک اور قصیدہ میں اسی طرز ادا کا اعادہ ہے:

اطال الله فى عز ونصر بقاء ك يا امير المؤمنينا

اے امیر المومنین اللہ آپ کو اپنے سایۂ نصرت وظل حمایت میں سدا باقی رکھے۔

اذا ما الحرب شب لها ضرام تقلب فيه ايدى الناكبينا

جب جنگ کے شعلے بھڑک اٹھیں اور لڑنے والے بہت پریشان ہو جائیں

فول مهمها فضل بن يحيى وقد رجمت فى يحيى الظنونا

تو ایسی مہم پر فضل بن یحییٰ ہی کو مامور کیجئے قطع نظر اس سے کہ آپ کو یحییٰ سے بدگمانی رہی ہے۔

لئن خصتك نعمتها بفضل لقد عمت جميع المسلمينا

اگر فضل کے ہاتھوں فتح کی نعمت آپ کو ملے گی تو یہ عامۃ المسلمین کی فتح ہوگی۔

ان اشعار سے اندازہ ہوتا ہے کہ فضل بن یحییٰ ہی اس کا اصل ممدوح تھا، یہ بات ضرور باعث تعجب ہے کہ یحییٰ بن خالد کی شان میں اس کا کوئی قصیدہ دستیاب نہیں ہے، جب کہ اسی کی بدولت اس کو برامکہ کے ہاں قدر و منزلت نصیب ہوئی تھی۔ خلاصۂ کلام یہ کہ گو ابان کے مدحیہ قصائد عام طرز ادا سے مختلف نہیں ہیں لیکن فضل بن یحییٰ کی مدح میں اس نے جو اشعار کہے ہیں وہ نرالی شان اور منفرد نوعیت کے ہیں، مثلاً چند اشعار ملاحظہ ہوں:

فبمثلى تخلوا الملوك وتلهو وتناجى فى المشكل الفداح

مجھ جیسے شخص سے بادشاہ خلوتوں میں ملتے ہیں اور دل چسپی لیتے ہیں اور ہر کٹھن وقت میں مجھ سے

رازدارانہ مشورے کرتے ہیں۔

ايمن الناس طائراً يوم صيد فى غدو خرجت ام فى رواح

شکار کے روز میں سب سے خوش بخت ہوتا ہوں، صبح کو نکلوں خواہ شام کو۔

ابصر الناس بالجوارح والخيـ ـل وبالخرد الحسان الملاح

عمدہ گھوڑوں اور بہترین شکاری پرندوں کا سب سے زیادہ واقف کار ہوں اور حسین دوشیزاؤں

پر نگاہ رکھنے والا ہوں۔

یہ ایک قسم کی ذاتی مدح ہے اور ابوالطیب متنبی کے بعد عربی ادب کی تاریخ میں ابان سے زیادہ خود پسند شاعر نہیں گذرا۔

مرثیہ گوئی

ابان کے جو مرثیے موجود رہ گئے ہیں ان میں سب سے طویل مرثیہ ۲۶ اشعار پر مشتمل ہے جو قاضی بصرہ سوار بن عبداللہ کی وفات پر کہا گیا ہے، اس قصیدہ کے ابتدائی اشعار یہ ہیں:

نفر نومى الخبر السارى اذ صرخ النعى بسوار

جب نائی نے سوار کی موت کا اعلان کیا تو میری نیند ہی اڑ گئی۔

هد له ركنى وآض الحشا كانما سعر بالنار

اس کی موت سے میرے سہارے کا ستون گر گیا اور میرا سینہ آتش غم سے بھڑک اٹھا۔

يا عين فابكيه ولا تقصرى فليس هذا حين اقصار

اے آنکھ جی بھر کے رو لے، کیوں کہ یہ رونے میں کمی کا موقع نہیں ہے۔

ابان کے یہاں مرثیے کے تینوں اجزا مردے کا نوحہ و ماتم، اس کی خوبیوں اور اوصاف کا بیان اور تعزیت موجود ہے، مگر نوحہ کا انداز زیادہ موثر اور پرزور نہیں ہے کہ کیفیت غم کی صحیح طور پر عکاسی ہو اور غم و حزن کے جذبات بھڑک اٹھیں، وہ جب میت کے خصائل بیان کرنے پر آتا ہے تو اس کے کارناموں کو نمایاں کرنا شروع کر دیتا ہے اور تھوڑے ہی توقف کے بعد جب مائل بہ تعزیت ہوتا ہے تو موت کا ذکر چھیڑ کر وعظ و نصیحت کرنے لگتا ہے۔ لیکن اس کو عیب نہیں سمجھنا چاہئے۔ کیوں کہ ایسا اندازِ بیان اسی لئے اختیار کرتا ہے کہ حزن والم کی شدت تا دیر قائم نہ رہے اور لوگ جلد اس کیفیت سے نکل آئیں، ہارون رشید کی لڑکی ہیلانہ کا ابان نے جو مرثیہ کہا اس میں

بڑے سنجیدہ خیالات کا اظہار کیا ہے:

یا امیر المؤمنین المرتضی   احمد الله علی ما قد مضی

اے امیر المومنین! خدا آپ سے راضی ہو جو گذرا اس پر خدا کا شکر کیجیے۔

ان تکن هیلان وافت قدراً   فاسل یعقبك به الله الرضا

قضائے الہی سے اگر ہیلانہ کی موت ہوگئی تو آپ اس کا غم بھلا دیں اللہ کی رضا آپ کے شامل حال ہوگی۔

انما یحزن من لیس له   خلف یسلیه عما قد مضی

رنجیدہ خاطر تو وہ ہوتا ہے جس کو غم ماضی سے سبکدوش کرنے والا کوئی نہیں ہوتا۔

مزید کہتا ہے:

ادیل من السرور الحزن لما   ثوت هیلان فی جدث و رمس

خوشیاں غم میں بدل گئیں جب ہیلانہ نے قبر کو اپنا مسکن بنالیا۔

واصبحت البلاد غداة ولت   علیها وحشة من بعد انس

اس کے انتقال سے سارا ملک وحشت کدہ بن گیا ہے۔

وہ جذبات کو برانگیختہ کرنے کے بجائے تسلی آمیز اسلوب بیان اختیار کرتا ہے، کہتا ہے:

مضی انس وقفاه حسین   ومات اخوهما عبدالسلام

انس کے بعد حسین بھی چلا گیا اور ان دونوں کا بھائی عبدالسلام بھی چل بسا۔

ثلاثة انجم افلو جمیعا   دراریٌ تضئ دجی الظلام

اکٹھا تین بڑے ستارے غروب ہوگئے، جو ظلمت شب میں اجالا کرتے تھے۔

وعاش مذمم لفساد دهر   خؤن العهد یلعب بالانام

اور وہ ملعون زمانے میں فساد مچانے کو رہ گیا جو بدعہدی میں یکتا ہے اور خلق خدا سے کھلواڑ کرتا ہے۔

كذاك الخیل یبقی الدون منها   فاما السابقات فللحمام

اسی طرح گھوڑوں میں خراب قسم کے باقی رہتے ہیں اور عمدہ لقمہ اجل بن جاتے ہیں۔

غم واندوہ کے ماحول سے نکل کر تامل وتفکر کی فضا پیدا کرنا اور شان حکمت قائم کرنا ابان کے مرثیوں کی علامت ہے۔

شاعری کے دیگر موضوعات ان موضوعات کے علاوہ ابان نے غزل اور ہزل کے میدان میں بھی طبع آزمائی کی ہے، صولی نے اس کے وہ اشعار نقل کئے ہیں جن میں اس نے اہل بصرہ کی ترجمانی کرتے ہوئے ہارون رشید کے عمال کی شکایت کی ہے۔ جب عمال بصرہ نے وہاں کی کچھ ضائع شدہ املاک پر بھی خراج عائد کرنا چاہا تو وہاں لوگوں نے ابان سے درخواست کی کہ وہ یحیٰی ابن خالد کے پاس کچھ اشعار لکھ بھیجے، چنانچہ ابان نے اس وقت یہ اشعار کہے:

اشهد ان لا اله الا   الهنا الخالق الکبیر

میں گواہی دیتا ہوں کہ ہمارے خدائے خالق وکبیر کے سوا کوئی الہ نہیں۔

محمد عبده رسول   جاء بحق علیه نور

محمد ﷺ اس کے بندے اور روشن دین حق لانے والے رسول ہیں۔

وان هارون خیر وال   فی العدل ما ان له نظیر

اور ہارون بہترین حکمراں ہے، ابھی تک عدل میں اس کا ثانی نہیں۔

خلیفة الله قد رضینا   ما سار فینا وما یسیر

خدا کا خلیفہ ہے، ہمارے تئیں اس کا ہر طرز عمل ہمیں منظور تھا اور رہے گا۔

وانه خیر امام   وان یحیی له وزیر

وہ بہترین امام ہے اور یحیٰی اس کا وزیر ہے۔

ابا علی الیك نشكو   ظلما عرانا به مغیر

اے ابوعلی ہم آپ کے پاس لوٹنے اور برباد کرنے والے کے ظلم کی شکایت لے کر آئے ہیں۔

تزعم اموالنا خراجا   وهی کما لم تزل عشور

ہمارے مال خراج سمجھے جانے لگے جب کہ ہمیشہ ان پر عشر عائد ہوتا تھا۔

وشرطنا ان کل محیي   فهی له ملکها یصیر

ہم نے تو یہی ضابطہ دیکھا ہے کہ جو زمین کی کاشت کرے وہ اس کا مالک ہوگا۔

حکم نبی الهدی اتتنا   سنته وهو لا یجور

نبی ہادی کا یہی حکم ہم کو ملا ہے اور یہی آپ کی سنت بھی ہے اور آپ کبھی ظلم نہیں کرتے تھے۔

ان اشعار میں عمالِ خلافت کے جس رویے کی ابان نے تصویر کشی کی ہے، اس کی جانب عام شعرا بہت کم متوجہ ہوتے ہیں، حصول عطیات کی ہوس ان کو اس قدر دامن گیر ہوتی ہے کہ عوامی زندگی کے مسائل اور کلفتوں کی پردہ کشائی کا انہیں موقع ہی نہیں ملتا، اس لحاظ سے ابان کا یہ قصیدہ بہت اہم ہے۔

خلاصۂ کلام یہ کہ ابان نے غزل کے مقابلہ میں نظم کی جانب زیادہ توجہ کی ہے، اس سے ابونواس کی طرح غزلیں کہنے کی فرمائش کی جاتی تو وہ کہتا کہ ابونواس نے میری طرح کتابوں کو منظوم نہیں کیا، میں اپنی شعری صلاحیت کو نفع بخش مواقع پر کام میں لاتا ہوں، جب وہ کلیلہ ودمنہ کو منظوم کرچکا تو اس سے کہا گیا کہ کیا تم زاہدانہ اشعار نہ کہو گے؟ چنانچہ ابان نے اس رائے کا لحاظ کرکے زکوٰۃ اور روزہ پر مثنویاں لکھیں، غزل میں اسے نظم جیسا کمال حاصل نہیں ہوا، مجموعی حیثیت سے اس کے اشعار اوسط درجے کے ہیں۔

(مجمع اللغۃ العربیۃ دمشق جلد ۷۶ جزء ۲، اپریل ۲۰۰۲ء)

شعرالعجم (مکمل)

از: علامہ شبلی نعمانی

حصہ اول: اس میں فارسی شاعری کی تاریخ، عہد بہ عہد کی ترقیوں، ان کے خصوصیات اور اسباب سے مفصل بحث کی گئی ہے، قیمت: ۵۰/روپئے۔ حصہ دوم: اس میں خواجہ فریدالدین عطار سے حافظ اور ابن یمین تک کے شعرا کا تذکرہ ہے۔ قیمت: ۷۰/روپئے۔ حصہ سوم: فغانی شیرازی سے ابوطالب کلیم تک کے شعرا کے حالات وسوانح پر بحث ہے، قیمت: ۳۵/روپئے۔ حصہ چہارم: اس حصہ میں ایران کی آب وہوا اور تمدن اور دیگر اسباب نے کیا اثر کیا اور کیا تغیرات پیدا کئے، ان کا جائزہ اور ہر دور کے خصوصیات شاعری کی تشریح اور شاعری کے تمام انواع پر مفصل تقریظ وتنقید ہے، قیمت: ۴۵/روپئے۔ حصہ پنجم: اس حصہ میں قصیدہ غزل اور فارسی زبان کی عشقیہ، صوفیانہ، اخلاقی اور فلسفیانہ شاعری پر نقد و تبصرہ۔ قیمت: ۳۸/روپئے۔

پندنامۂ عطار۔ احادیث کی تلمیحات

از ڈاکٹر حافظ منیر احمد خاں☆

محمد فریدالدین عطار ۵۱۶ھ میں بمقام نیشاپور پیدا ہوئے، انہوں نے عرب، روم، مصر اور ہندوستان کی سیاحت کی اور بہت سی کتابیں تصنیف کیں، ایک لاکھ اشعار سے بھی زیادہ ان کے اشعار ہیں۔

ہندوستان میں ایک چھوٹی سی کتاب بنام پندنامہ مشہور ہے جو مدارس میں بھی پڑھائی جاتی ہے، عاجز نے اسی کتاب میں سے یہ تلمیحات تلاش کی ہیں، پہلے اشعار دیے گئے ہیں، ان کے مفہوم کی احادیث مع ترجمہ دی گئی ہیں، مضمون کے آخر میں احادیث کے حوالے درج ہیں مثلاً ا۔

خواجہ عطار کی وفات ۶۲۷ھ میں ایک سو گیارہ سال کی عمر میں منگولوں کے تاخت و تاراج کے وقت ہوئی۔

صفحہ چار ۴ شعر ہے:۔

شد و جودش رحمۃ للعٰلمین مسجد او شد ہمہ روے زمین

جعلت لی الارض مسجدا و طھورا اینما ادرک رجل من امتی الصلوۃ صلی (۱)

میرے واسطے (ساری) زمین مسجد اور پاک قرار دی گئی ہے، جہاں کہیں میری امت کے کسی

☆ اسسٹنٹ پروفیسر سندھ یونیورسٹی جام شورو سندھ، حیدرآباد۔

---

۱ معارف: مصنف نے اشعار کی تلمیح میں جو احادیث نقل کی ہیں، وہ املاً ان کے ترجمے ہیں، بعض جگہ ترجمے محل نظر بھی ہیں، عموماً روایت کرنے والے صحابی کا نام نہیں لکھا ہے لیکن دو ایک جگہ لکھا بھی ہے اور کہیں کہیں متن میں نہ لکھ کر ترجمے میں لکھا ہے، بعض حدیثیں اشعار سے پوری طرح منطبق نہیں ہیں، تاہم ان کی تلاش ومحنت قابل ستایش ہے "ض"۔

آدمی کو نماز کا وقت آجائے وہیں پڑھ لے۔

صفحہ ۵ کا شعر ہے:۔

ہر کہ خشم خود فرو خورد اے جوان　　باشد او از رستگارانِ جہاں

ما تعدون الصرعة فيكم قالوا الذى لا تصرعه الرجال قال ولكنه الذى يملك نفسه عند الغضب (۲)۔

تم اپنے میں سے کسے پہلوان شمار کرتے ہو؟ (اصحاب سے) عرض کیا (پہلوان) وہ ہے جسے آدمی پچھاڑ نہ سکیں (رسول اللہ ﷺ نے) فرمایا نہیں بلکہ (پہلوان) وہ ہے جو غصہ کے وقت اپنے نفس کو قابو میں رکھے۔

صفحہ ۶ کا شعر ہے:۔

ہر کہ او را نفس تو سن رام شد　　از خردمندان نیکو نام شد

المجاهد من جاهد نفسه (۳)۔

مجاہد وہ ہے جو اپنے نفس کے ساتھ جہاد کرے (کہ شر آمیز خواہشوں کے پورا کرنے سے باز رہے اور اس طرح نفس پر غالب آکر اسے مار ڈالے)۔

صفحہ ۶ کا شعر ہے:۔

ہر کہ خواہد تا سلامت ماند او　　از جمیع خلق رُو گرداند او

قيل يا رسول الله اى الناس افضل قال مومن مجاهد بنفسه و ماله فى سبيل الله قيل ثم من قال رجل فى شعب من الشعاب يتقى الله و يدع الناس من شره (۴)۔

لوگوں نے پوچھا یا رسول اللہ کون سب سے اچھا شخص ہے؟ وہ ایمان دار آدمی جو اپنے مال اور جان سے خدا کی راہ میں جہاد کرے، پوچھا پھر کون؟ فرمایا وہ شخص جو پہاڑ کے کسی درے (یعنی گوشۂ تنہائی) میں رہتا ہو، خدا ترس ہو اور خلقت کو اس سے کوئی دکھ نہ پہنچتا ہو۔

صفحہ ۶ کا شعر ہے:۔

حق ندارد دوست خلق آزار را　　نیست ایں خصلت یکے دیندار را

الله تعالىٰ مع القاضى مالم يجر فاذا جار تخلى عنه ولزمه الشيطان (۵)۔

اللہ تعالیٰ حاکم کے ساتھ ہوتا ہے جب تک وہ ظلم نہیں کرتا جب ظلم کرتا ہے تو وہ اسے چھوڑ دیتا ہے اور اس وقت شیطان اس حاکم کے ساتھ ہو جاتا ہے۔

صفحہ ۶ ہی کا ایک اور شعر ہے:۔

ہر کہ از غیبت زبانش بستہ نیست　　آں چناں کس از عقوبت رستہ نیست

اتدرون ما الغيبة قالوا الله و رسوله اعلم قال ذكر احدكم اخاه بما يكره فقال رجل ارأيت ان كان فى اخى ما اقول قال ان كان فيه ما تقول فقد اغتبته وان لم يكن فيه ما تقول فقد بهته (۶)۔

کیا تم جانتے ہو غیبت کسے کہتے ہیں؟ (اصحاب نے) کہا اللہ اور اس کا رسول بہتر جانتے ہیں، (رسول اللہ ﷺ نے) فرمایا (اگر) تم میں سے کوئی اپنے بھائی کی بابت ایسی بات کہے جو اسے ناپسند ہو (تو وہ غیبت ہے) ایک شخص نے عرض کیا جو بات (عیب کی) میں کہوں، اگر وہ میرے بھائی میں موجود ہو تو؟ فرمایا جو کچھ تم نے کہا اگر اس میں موجود ہو تو تم نے غیبت کی اور اگر موجود نہ ہو تو تم نے اس پر بہتان باندھا۔

صفحہ ۷ کا شعر ہے:۔

ہر کرا گفتار بسیارش بود　　دل درون سینہ بیمارش بود

لا تكثروا الكلام فان كثرة الكلام بغير ذكر الله تعالىٰ قسوة القلب و ان ابعد الناس من الله تعالىٰ القاسى القلب (۷)۔

زیادہ باتیں مت کیا کرو کیوں کہ خدا کی یاد کے سوا زیادہ بات کرنا دل کی سیاہی اور قساوت ہے اور خدا سے زیادہ دور وہ شخص ہے جو سیاہ اور سخت دل ہو۔

صفحہ ۷ کا شعر ہے:۔

آں کہ می اندر فصاحت مے کند　　چہرۂ دل را جراحت مے کند

من تعلم صرف الكلام ليسبى به قلوب الرجال لم يقبل الله منه يوم القيامة صرفاً و عدلاً (۸)۔

جو تقریر کا اس طرح پھیرنا سیکھے کہ اس سے لوگوں کے دل پھیر دے، قیامت کے دن اللہ اس کی کوئی عبادت اختیاری ہو یا لازمی قبول نہیں کرے گا۔

صفحہ ۷ کا قطعہ ہے:۔

از حسد اول تو دل را پاک دار   خویشتن را بعد ازاں مومن شمار

ہر کہ بر مال کساں دارد حسد   بوئے رحمت بر دماغش کے رسد

لا یجتمع فی قلب عبد الایمان و الحسد (۹)۔

کسی انسان کے دل میں ایمان اور حسد دونوں اکٹھے نہیں ہو سکتے۔

صفحہ ۷ کا شعر ہے:۔

پاک دار از کذب و زغیبت زباں   تا کہ ایمانت نیفتد در زیاں

عن صفوان بن سلیم قال قلنا یا رسول اللہ أیکون المومن جباناً قال نعم قلنا أفیکون بخیلا قال نعم قلنا أفیکون کذاباً قال لا ۔(۱۰)

صفوان بن سلیم سے روایت ہے کہ ہم نے پوچھا یا رسول اللہ کیا ایمان دار شخص بزدل ہوتا ہے؟ آپ نے فرمایا ہاں (ہوتا ہے) ہم نے کہا کیا بخیل (بھی) ہوتا ہے؟ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہاں (ہوتا ہے) پھر ہم نے پوچھا کیا جھوٹا (بھی) ہوتا ہے؟ فرمایا نہیں۔

صفحہ ۸ کا شعر ہے:۔

چوں شکم را پاک داری از حرام   مرد ایمان دار باشی والسلام

ان اول ما ینتن من الانسان بطنہ فمن استطاع ان لا یدخل بطنہ الا طیباً فلیفعل (۱۱)۔

سب سے پہلے جو چیز انسان کی گندی ہوتی ہے وہ اس کا پیٹ ہے پس جس سے ہو سکے کہ اپنے پیٹ میں پاک ہی چیز ڈالے اسے ایسا ہی کرنا چاہئے۔

صفحہ ۸ کا شعر ہے:۔

ہر کہ کارش از برائے حق بود   کار او پیوستہ با رونق بود

من احب للہ و ابغض للہ و اعطی للہ و منع للہ فقد استکمل الایمان (۱۲)۔

جس شخص نے کسی سے دوستی یا دشمنی پیدا کرنے میں یا اپنے مال کے خرچ کرنے یا نہ کرنے میں رضائے الٰہی ہی کو مدنظر رکھا، اس نے اپنے ایمان کو کامل کرلیا۔

صفحہ ۹ کا قطعہ ہے:۔

اے برادر گر خردداری تمام   نرم و شیریں گوئی با مردم کلام

ہر کہ باشد تلخ گوئے و ترش روئے   دوستاں ازوے بگر دانند روئے

ان الرفق ما کان فی شئی الا زانہ و لا نزع من شئی الا شانہ (۱۳)۔

نرمی جس میں ہو، اسے زینت دیتی ہے اور جس میں نہ ہو اس کی شان گھٹاتی ہے۔

صفحہ ۹ کا شعر ہے:۔

ع   قرب سلطاں آتش سوزاں بود

من سکن البادیۃ جفا ومن اتبع الصید غفل ومن اتی ابواب السلطان افتتن و ما ازداد عبد من السلطان دنوا الا ازداد من اللہ تعالیٰ بعداً (۱۴)۔

جس نے جنگل میں سکونت اختیار کی وہ (علم اور عقل سے) خالی رہا، جو شکار کے پیچھے لگا وہ غافل ہوا اور بادشاہ کے دروازے پر آیا وہ فتنے میں پڑا اور جس قدر کہ آدمی بادشاہ کے نزدیک ہوجاتا ہے اسی قدر خدا سے دور ہوجاتا ہے۔

صفحہ ۱۲ کا شعر ہے:۔

بے تکلف باش و آرائش مجوی   ترک راحت گیر و آسائش مجوی

مالی و للدنیا ما انا والدنیا الا کراکب استظل تحت شجرۃ ثم راح و ترکہا (۱۵)۔

ابن مسعود روایت کرتے ہیں کہ میں رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں گیا، آپ ﷺ کھجوروں کی چٹائی پر بیٹھے ہوئے تھے اور بدن پر چٹائی کے نشان پڑے ہوئے تھے، میں نے عرض کیا، یا رسول اللہ ہم آپ کے لئے ایک بچھونا بنالیتے ہیں جو چٹائی پر ڈالا جائے تا کہ آپ کے بدن پر نشان نہ پڑیں، آپ نے فرمایا مجھے دنیا (کی آسائش) سے کیا (غرض) میری اور دنیا کی مثال ایک سوار کی ہے کہ اس نے ایک درخت کے سائے میں آرام کیا اور اسے چھوڑا (اور چلتا ہوا)۔

صفحہ ۱۷ کا شعر ہے:۔

نیست مردی خویش را آراستن   قصد جان کرد ہر کہ او آراست تن

نیست برتن بہتر از تقوے لباس   در تکلف مرد را نبود اساس

اخذ رسول اللہ ﷺ حریرا فجعلہ فی یمینہ و ذہبا فجعلہ فی شمالہ وقال ان

هٰذين حرام على ذكور امتي (۱۶)۔

رسول اللہ ﷺ نے ریشم کا کپڑا اٹھا کر داہنے ہاتھ میں لیا اور سونا بائیں میں اور فرمایا دونوں (چیزیں) میری امت کے مردوں کے لیے حرام ہیں۔

صفحہ ۲۰ کا شعر ہے:۔

گر تواضع پیش گیری اے جواں　　دوست دارندت ہمہ خلق جہاں

ما تواضع عبد لله الا رفعه الله تعالى (۱۷)۔

ایسا کبھی نہیں ہوا کوئی شخص خدا واسطے تواضع کرے اور اللہ تعالی اس کا مرتبہ بلند نہ کرے۔

صفحہ ۲۱ کا شعر ہے:۔

شکر نعمت ہائے حق ے کن مدام　　تا کند حق بر تو نعمت ہا تمام

خصلتان من كانتا فيه كتبه الله تعالى شاكرا و صابرا و من لم تكونا فيه لم يكتبه الله تعالى لا شاكرا و لا صابرا من نظر في دينه الى من هو فوقه فاقتدىٰ به و نظر في دنياه الى من هو دونه فحمد الله تعالىٰ علىٰ ما فضله به عليه (۱۸)۔

دو خصلتیں ہیں، جس شخص میں یہ دونوں ہوں اسے اللہ تعالی شاکروں اور صابروں کی فہرست میں لکھے گا اور جس میں یہ دونوں نہ ہوں اسے اللہ تعالی نہ شاکروں اور نہ صابروں میں لکھے گا، جو شخص اپنے دین کا اس سے مقابلہ کرے جو اس سے فائق ہے تو چاہئے کہ اس کی پیروی کرے جو دنیاوی آسائشوں میں اس شخص سے مقابلہ کرے جو اس سے کم تر ہے تو چاہئے کہ اس فضیلت کا جو اللہ نے اسے دی ہے شکریہ کرے۔

صفحہ ۲۳ کا قطعہ ہے:۔

ہر کہ او استیزہ با سلطاں کند　　کار خود را سر بسر ویراں کند
ہر کہ او باغی شود از بادشاہ　　روز او چوں تیرہ شب گردد تباہ

من اتاكم و امركم جميع على رجل واحد يريد ان يشق عصاكم او يفرق جماعتكم فاقتلوه (۱۹)۔

جب تم سب کے سب ایک شخص کے زیر حکم ہو، پھر جو شخص تمہارے پاس آئے اور یہ چاہے کہ تمہاری لاٹھی کو طاقت سے توڑ دے یا تمہاری جماعت میں پھوٹ ڈالے تو اسے قتل کردو۔

صفحہ ۲۴ کا شعر ہے:۔

ذرۂ آتش چو شد افروختہ　　بینی از وے عالمے را سوختہ

احترق بيت بالمدينة على اهله من الليل فاخبر النبي ﷺ بشانهم فقال ان هذه النار عدولكم فاذا نمتم فاطفئوها عنكم (۲۰)۔

ایک رات کو مدینہ میں ایک گھر جس میں کچھ لوگ رہتے تھے، جل گیا، رسول اللہ ﷺ کو ان کے حال سے خبر ہوئی، آپ نے فرمایا یہ آگ تمہاری دشمن ہے، جب سونے لگو تو اسے بجھا دیا کرو۔

صفحہ ۲۶ کا شعر ہے:۔

شکر نا کردن زوال نعمت است　　بہرۂ شاکر کمال نعمت است

من اعطى عطاء فليجز به ان وجد فان لم يجد فليثن به فانه من اثنى به فقد شكره و من كتمه فقد كفره (۲۱)۔

من لا يشكر الناس لا يشكر الله تعالىٰ (۲۲)۔

جس شخص کے ساتھ کوئی احسان کیا جائے اسے لازم ہے کہ اگر مقدرت رکھتا ہو تو اپنے محسن کا بدلہ ادا کردے اگر وہ اس قابل نہیں تو اس کی ثنا ہی کردے کیوں کہ جس نے اپنے محسن کی ثنائی گویا اس نے اس کا شکریہ ادا کردیا اور جس نے اس کے احسان کو چھپا رکھا تو اس نے اس کی ناشکری کی۔

جو شخص بندوں کا شکریہ ادا نہیں کرتا وہ خدا کا شکر بھی نہیں کرتا۔

صفحہ ۲۶ کا شعر ہے:۔

ہر کہ علمے دارد و نبود برآں　　از طریق عقل باشد بر کراں

الا اخبركم بخير الناس و شر الناس ان من خير الناس رجل عمل في سبيل الله على ظهر فرسه اور ظهر بعيره او على قدمه حتى ياتيه الموت و ان من شر الناس رجل يقرأ كتاب الله تعالى لا يرعوى بشئى منه (۲۳)۔

میں تمہیں بتلاتا ہوں کہ بہت اچھے اور بہت برے لوگ کون ہیں، بہت اچھے لوگوں میں سے وہ شخص ہے جو اپنے گھوڑے یا اونٹ پر سوار ہو کر یا اپنے پاؤں پر چل کر خدا کی راہ میں کوئی کام کرتا ہے یہاں تک کہ اس کی موت آجائے اور برے لوگوں میں سے وہ شخص ہے جو خدا کی کتاب پڑھے مگر اس پر

اس کا کچھ اثر نہ ہو۔

صفحہ ۲۷ کا شعر ہے:۔

ہر کہ مے خواہد کہ باشد در امان   مہر مے باید نہادن بر زبان

الا اخبرک بملاک ذلک کلہ قلت بلی قال کف علیک ھذا و اشار الی لسانہ قلت یا رسول اللہ وانا لمؤاخذون بما نتکلم بہ فقال ثکلتک امک یا معاذ وھل یکب الناس فی النار علی وجوھھم او قال علی مناخرھم الا حصائد السنتھم (۲۴)۔

نیک اعمال کا ذکر ہو رہا تھا کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کیا میں تمہیں ان سب کے محکم کرنے والی چیز سے نہ آگاہ کروں؟ مخاطب نے کہا ہاں فرمایئے، زبان کی طرف اشارہ کرکے آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ اسے قابو میں رکھو، مخاطب کہتا ہے، میں نے عرض کیا یا رسول اللہ کیا ہم اپنی بات چیت کے بدلے بھی پکڑے جائیں گے؟ فرمایا اے معاذ! تیری ماں تجھے روئے لوگوں کو دوزخ میں منہ کے بل یا کہا ناک کے بل ان کی زبان کے برے بول ہی ڈلوائیں گے۔

صفحہ ۲۷ کا شعر ہے:۔

خاموشی را ہر کہ سازد پیشۂ   گردد ایمن نبودش اندیشۂ

قلت یا رسول اللہ ما النجاۃ قال امسک علیک لسانک ولیسعک بیتک و ابک علی خطیئتک (۲۵)۔

ایک صحابی روایت کرتے ہیں کہ میں نے عرض کیا یا رسول اللہ نجات کیا ہے؟ (یعنی کس طرح حاصل ہوسکتی ہے) آپ نے فرمایا اپنی زبان کو بند رکھو (یعنی بے ہودہ نہ بکو) گھر میں قیام رکھو (یعنی آوارہ نہ پھرو) اور اپنے گناہوں پر رو (یعنی پھر ان کے مرتکب نہ ہو)۔

صفحہ ۲۷ کا شعر ہے:۔

گر ہمے خواہی کہ باشی در امان   رو نکوئی کن تو با خلق جہاں

قال یا رسول اللہ حدثنی ما الشی الذی لا یحل منعہ قال الملح ثم قال ماذا قال النار ثم قال یا نبی اللہ ما الشی الذی لا یحل منعہ قال ان تفعل الخیر خیر لک (۲۶)۔

(بہیسہ فزاریہ بیان کرتی ہیں کہ میرے باپ نے) رسول اللہ ﷺ سے پوچھا کہ کون سی ایسی

چیز ہے جس کا روکنا جائز نہیں؟ فرمایا نمک، پوچھا اور کیا؟ فرمایا آگ، پھر پوچھا اور بھی کوئی چیز ہے جس کا بند کرنا روا نہیں؟ فرمایا (نیک کام کرنا بند مت کروکہ) جتنی نیکی کروگے اسی قدر تمہارے لیے بہتر ہے۔

صفحہ ۲۹ کا شعر ہے:۔

فرض حق اول بجا آوردن است   والدین از خویش راضی کردن است

رغم انفہ رغم انفہ رغم انفہ قیل من یا رسول اللہ قال من ادرک والدیہ عند الکبر او احدھما ثم لم یدخل الجنۃ (۲۷)۔

رسول اللہ ﷺ نے تین دفعہ فرمایا کہ اس شخص کی ناک پر خاک پڑے، لوگوں نے پوچھا یا رسول اللہ کس کی ناک پر؟ فرمایا اس شخص کی جس کے والدین یا ان میں سے کوئی ایک بوڑھا ہو اور وہ (اس کی خدمت کرکے) اپنے آپ کو جنت کا مستحق نہ بنائے۔

صفحہ ۳۰ کا شعر ہے:۔

چوں بود غافل وزیر بے خبر   ملک شہ از وے بود زیر و زبر

اذا اراد اللہ تعالیٰ بالامیر خیرا جعل لہ وزیر صدق ان نسی ذکرہ وان ذکر اعانہ و اذا اراد اللہ بہ غیر ذلک جعل لہ وزیر سوء ان نسی لم یذکرہ و ان ذکر لم یعنہ (۲۸)۔

جب خدا کسی امیر کی بھلائی چاہتا ہے تو اسے راست باز وزیر عطا کرتا ہے کہ اگر بادشاہ بھول جائے تو وہ یاد دلاتا ہے، اگر (نہ بھولے اور) یاد رکھے تو وہ تائید کرتا ہے اور خدا کی مرضی اگر ایسی نہ ہو تو وہ اسے برا وزیر دیتا ہے کہ اگر بادشاہ بھول جائے تو وہ اسے یاد ہی نہیں دلاتا اور اگر وہ یاد رکھے تو وہ تائید نہیں کرتا۔

صفحہ ۳۲ کا شعر ہے:۔

اے برادر پردۂ مردم مدر   تا ندرد پردہ ات شخصے دگر

لا یستر عبد عبدا فی الدنیا الا سترہ اللہ تعالیٰ یوم القیامۃ (۲۹)۔

ایسا نہیں ہوگا کہ ایک انسان دوسرے انسان کی پردہ پوشی کرے اور اللہ تعالیٰ قیامت کے دن اس کی پردہ پوشی نہ کرے۔

صفحہ ۳۶ کا شعر ہے:۔

از خدا خواہ آں چہ خواہی اے پسر نیست در دستِ خلائق خیر و شر

لیسأل احدکم ربه حاجته کلها حتی یسأل شسع نعله اذا انقطع (۳۰)۔

تم میں سے ہر ایک کو اپنی ساری حاجتیں اپنے رب سے مانگنی چاہئیں یہاں تک کہ چپل کا تسمہ بھی ٹوٹ جائے تو اسی سے مانگنا چاہیے۔

صفحہ ۳۷ کا شعر ہے:۔

صدقۂ کالودہ گردد باریا کے بود آن خیز مقبولِ خدا

حکایة ثلثة الرجال (۳۱)۔

رسول اللہ ﷺ نے ایک حکایت بیان فرمائی جس کا خلاصہ یہ ہے کہ دکھاوے کے واسطے قرآن پڑھنے والا کہ لوگوں میں قاری کے لقب سے مشہور ہو، مجاہد مقتول جو بہادری کا طلب گار ہو اور مال دار آدمی نام کے لئے سخاوت کرنے والا، تینوں سب سے پہلے دوزخ میں جائیں گے۔

صفحہ ۳۸ کا شعر ہے:۔

لذت عمرت اگر باید بدہر باش دائم پر حذر از خشم و قہر

ان رجلا قال یا رسول الله ﷺ اوصنی ولا تکثر علیّ لکی لا انسیٰ قال لا تغضب (۳۲)۔

ایک شخص نے عرض کیا، یا رسول اللہ مجھے کچھ نصیحت فرمائیے مگر اتنی زیادہ نہ ہو کہ میں بھول جاؤں، آپ نے فرمایا، غصہ نہ کیا کر۔

صفحہ ۴۰ کا شعر ہے:۔

چیست تقوی ترک شبہات و حرام از لباس و از شراب و از طعام

لا یبلغ العبد حقیقة التقوی حتی یدع مالا باس به حذرا مما به باس (۳۳)۔

انسان پرہیزگاری کی حقیقت کو نہیں پہنچتا جب تک وہ اس چیز کو نہ چھوڑ دے جس میں کوئی شبہہ نہ ہو، اس خیال سے کہ مشتبہ چیز سے بچ جائے۔

صفحہ ۴۱ کے اشعار ہیں:۔

تا اماں باشی زقہر کردگار صدقہ مے دہ در نہان و آشکار

صدقہ دہ ہر بامداد و ہر پگاہ تا بلا ہا از تو گر داند الٰہ

ہر کہ او را خیر عادت مے شود بے گماں عمرش زیادہ مے شود

الصدقة تطفیٔ غضب الرب و تدفع میتة السّوء (۳۴)۔

صدقہ خدا کے غضب کو بجھا دیتا ہے اور بری (طرح کی) موت کو ٹال دیتا ہے۔

صفحہ ۴۲ کا قطعہ ہے:۔

اے برادر دار مہمان را عزیز تا بیابی عزت از رحمان تو نیز

ہر کہ مہمان را بروئے تازہ دید از خدا الطاف بے اندازہ دید

من کان یؤمن بالله والیوم الآخر فلیکرم ضیفه جائزته قالوا وما جائزته یا رسول الله قال یومه و لیله و الضیافة ثلثة ایام وما وراء ذلک فهو صدقة ولا یحل له ان یقیم عنده ولیس له شئی یقریه به (۳۵)۔

جو شخص اللہ اور آخرت کے دن پر یقین رکھتا ہے، اسے چاہیے کہ پہلے دن اور رات مہمان کی خوب خدمت کرے اور ضیافت تین دن تک ہے بعد اس کے خیرات ہے اور مہمان کو جائز نہیں ہے کہ یہاں تک ٹھہرے کہ میزبان کو گنہ گار کردے، لوگوں نے پوچھا، گنہ گار کس طرح کردے؟ فرمایا، وہ ٹھہرا رہے اور اس کے گھر اسے کھلانے کو کچھ نہ رہے۔

صفحہ ۴۳ کا قطعہ:۔

نان بدہ بر جائعان بہر خدائے تا دہندت در بہشتِ عدن جائے

برسرِ بالینِ بیماراں گذر زانکہ ہست ایں سنت خیر البشر

اطعموا الجائع و عودوا المریض و فکّوا العانی (۳۶)۔

بھوکے کو کھلایا کرو کھانا، بیمار کی خبر لیا کرو اور قیدی کو چھوڑایا کرو۔

صفحہ ۴۴ کے اشعار ہیں:۔

تا توانی ہیچ کس را بد مگوئے پیش مردم عیب کس ہرگز مجوئے

گر ہمے خواہی کہ گویندت نکو اے برادر ہیچ کس را بد مگوئے

ليس المومن بطعان و لا فاحش و لا بذئ (۳۷)۔

طعن کرنے والا، فحش بکنے والا اور بدزبان شخص ایمان دار نہیں ہے۔

صفحہ ۴۵ کا شعر ہے:۔

حاجت خود را جزا ز سلطاں مخواہ   چوں نخواہی یافت از درباں مخواہ

المسائل كدوح يكدح بها الرجل وجهه فمن شآء ابقىٰ على وجهه ومن شآء تركه الا ان يسال الرجل ذا سلطان في امر لا يجد منه بدا (۳۸)۔

سوال کرنا گویا زخم کرنا ہے کہ اس سے سائل اپنے چہرے کو چھیلتا ہے، پس جو چاہے اپنے چہرے پر گوشت باقی رکھے، جو چاہے اسے ننگا چھوڑے، ہاں اگر بادشاہ سے لاچاری میں سوال کرے تو (جائز ہے)

صفحہ ۴۸ کا شعر ہے:۔

نیست در وعدہ منافق را وفا   زاں نباشد در رخش نور و صفا

واذا عاهد غدر (۳۹)۔

منافق کی چار خصلتوں میں ایک یہ بھی ہے کہ ''جب عہد کرے تو اسے توڑ دے''۔

صفحہ ۴۹ کا شعر ہے:۔

شکر در نعما و صبر اندر بلا   میدہد آئینہ دل را جلا

عجبا لأمر المومن ان امره كله له خير و ليس ذلك لاحد الا المومن ان اصابته سراء شكر فكان خيرا و ان اصابته ضراء صبر فكان خيرا (۴۰)۔

ایمان دار آدمی کا معاملہ بھی عجیب ہے کہ اس کا ہر ایک کام اچھا ہے اور یہ بات سوائے ایمان دار آدمی کے اور کسی کو میسر نہیں اسے جب خوشی حاصل ہوتی ہے تو وہ شکر کرتا ہے اور شکر کرنا خیر ہے اگر اسے دکھ پہنچتا ہے تو صبر کرتا ہے اور یہ بھی خیر ہے۔

صفحہ ۴۹ کا قطعہ ہے:۔

ہر چہ بخشیدی مکن با او رجوع   گر ز پا افتادۂ از دست جوع

ایں بداں ماند کہ شخصے قے کند   باز میلِ خوردن آں مے کند

لا تشتره و لا تعد في صدقتك و ان اعطاه بدرهم فان العائد في صدقته كالعائد في قيئه (۴۱)۔

(حضرت عمرؓ روایت کرتے ہیں کہ میں نے ایک گھوڑا کسی کو خدا کے نام پر دیا، اس نے اسے کم خدمتی کی وجہ سے خراب کر دیا، میں نے چاہا کہ اس سے خرید لوں اور یہ بھی گمان ہوا کہ وہ سستا بیچ دے گا، میں نے رسول اللہ ﷺ سے اس بارے میں ذکر کیا) آپؐ نے فرمایا نہ خریدنا اور اپنا صدقہ واپس نہ لینا، خواہ وہ تمہارے پاس ایک درم ہی کو بیچے، کیوں کہ صدقے کا واپس لینے والا ایسا ہی ہے جیسے اپنی قے کا چاٹنے والا۔

صفحہ ۵۰ کا شعر ہے:۔

اے پسر ہرگز مرو تنہا سفر   با شدت رفتن سفر تنہا خطر

لو يعلم الناس من الوحدة ما اعلم ما سار راكب بليل وحده ابدا (۴۲)۔

لوگ اگر تنہائی (کی کیفیت) سے (ایسے) واقف ہوتے جیسے میں ہوں تو (کوئی) سوار رات کو اکیلا نہ چلتا۔

صفحہ ۵۰ کا شعر ہے:۔

دست را بر رخ زدن شوم است شوم   استماع علم کن ز اہل علوم

ليس منا من ضرب الخدود و شق الجيوب و دعا بدعوى الجاهلية (۴۳)۔

وہ شخص ہم میں سے نہیں ہے جو (مصیبت کے وقت) اپنی گالوں کو پیٹے، گریبان پھاڑے اور جاہلیت کے زمانے کے بول بولے (نوحہ واویلا وغیرہ جو اسلام نے منع کر دیے ہیں)۔

صفحہ ۵۲ کا شعر ہے:۔

دیر رو بازار و بیروں آئی زود   زانکہ از رفتن را نیابی ہیچ سود

ان احب البلاد الى الله تعالىٰ المساجد و ابغض البلاد الى الله تعالىٰ الاسواق (۴۴)۔

خدا کے نزدیک پسندیدہ تر مقام مسجدیں ہیں اور بدتر مقام بازار۔

صفحہ ۵۴ کے اشعار ہیں:۔

و آنکہ با عطار مے گردد قریب او ہمی یابد زبوئے خوش نصیب

ہم نشینِ صالحان باش اے پسر دور باش از رند و قلاش اے پسر

صحبت ظالم بسانِ آتش ست زاں کہ خلق آزار و تند و سرکش ست

صفة الجليس الصالح و جليس السوء كحامل المسک و نافخ الكير فصاحب المسک اما ان يحذيک و اما ان تبتاع منه و نافخ الكير اما ان يحرق ثيابک او تجد منه ريحا خبيثة (۳۵)۔

نیک ہم نشیں اور بد ہم نشیں کی مثال گندھی اور لوہار کی ہے، گندھی تو تمہیں ایک پھوا عطر کا نذر کرے گا یا خود تم اس سے عطر خرید و گے اور لوہار یا تو تمہارے کپڑے جلائے گا یا تمہیں اس سے خراب ہوا (لوہے کی بدبو) آئے گی۔

صفحہ ۵۵ کا شعر ہے:۔

خاطرِ ایتام را در یاب نیز تا ترا پیوستہ حق دارد عزیز

انا و كافل اليتيم فى الجنة هكذا و اشار بالسبابة والوسطى و فرج بينهما (۳۶)۔

میں اور یتیم کا خبر گیر جنت میں ایسے قریب ہوں گے جیسے شہادت کی اور درمیانی انگلیاں اور ذرا سی تفاوت کے ساتھ آپ نے دونوں انگلیوں کا اشارہ کیا۔

صفحہ ۵۶ کا شعر ہے:۔

در جوانی دار پیراں را عزیز تا عزیز دیگراں باشی تو نیز

ما اكرم شاب شيخا لسنه الا قيض الله تعالىٰ من يكرمه عند سنه (۴۷)۔

جو جوان شخص کسی بوڑھے کی تعظیم اس کی عمر کی وجہ سے کرے، اللہ تعالیٰ کسی شخص کو مقرر فرما دیتا ہے کہ اس کے بڑھاپے میں اس کی تعظیم کرے۔

صفحہ ۵۶ کا شعر ہے:۔

ہر کہ او ترکِ اقارب مے کند جسم خود قوتِ عقارب مے کند

الرحم معلقة بالعرش تقول من وصلنى وصله الله ومن قطعنى قطعه الله (۴۸)۔

رشتہ عرش سے لٹکا ہوا ہے اور کہتا ہے جس نے مجھے جوڑا، اسے اللہ جوڑے گا اور جس نے مجھے قطع کیا اسے اللہ قطع کرے گا۔

حواشی

(۱) مسند احمد، ۳۳۰/۶، حدیث ۲۱۲۳۲ بیروت ۱۹۹۳ء (۲) ابوداؤد، حدیث ۴۷۷۹، ای طبعۃ مرقمۃ (۳) مسند احمد، ۳۴/۷، حدیث ۲۳۳۳۲ بیروت ۱۹۹۳ء (۴) بخاری، ۱۲۹/۸، دار الفکر (۵) فتح الباری، ۱۴۰/۱۳، دار الفکر (۶) فتح الباری، ۴۶۹/۱۰، دار الفکر (۷) ترمذی، حدیث ۲۴۱۱، مصطفیٰ الحلبی (۸) مشکوٰۃ، حدیث ۴۸۰۲، المکتب الاسلامی (۹) درمنثور، ۱۷۳/۲، دار الفکر بیروت (۱۰) صحاح ستہ (۱۱) بخاری، ۸۰/۹، دار الفکر (۱۲) فتح الباری، ۴۷/۱، دار الفکر (۱۳) مسند احمد، ۸۷/۷، حدیث ۲۳۷۸۶، بیروت ۱۹۹۳ء (۱۴) ترمذی، حدیث ۲۲۵۶، مصطفیٰ الحلبی (۱۵) ایضاً، حدیث ۲۳۷۷ (۱۶) مسند احمد، ۱۸۶/۱، حدیث ۹۳۷، بیروت ۱۹۹۳ء (۱۷) مسند احمد، ۸۹/۳، حدیث ۸۷۸۲، بیروت ۱۹۹۳ء (۱۸) ترمذی حدیث، ۲۵۱۲، مصطفیٰ الحلبی (۱۹) السنن الکبریٰ ۱۶۹/۸، تصویر بیروت (۲۰) فتح الباری، ۸۵/۱۱، دار الفکر (۲۱) ترمذی حدیث، ۲۰۳۴، مصطفیٰ الحلبی (۲۲) ترمذی حدیث، ۱۹۵۵، مصطفیٰ الحلبی (۲۳) المعجم الکبیر، ۳۸۳/۱۰، طبعۃ العراق (۲۴) ترمذی حدیث، ۲۶۱۶، مصطفیٰ الحلبی (۲۵) ترمذی حدیث، ۳۰۶، مصطفیٰ الحلبی (۲۶) مجمع الزوائد، ۱۴۳/۴، القدسی (۲۷) درمنثور، ۱۷۲/۴، دار الفکر بیروت (۲۸) ابوداؤد، حدیث ۲۹۳۲، ای طبعۃ مرقمۃ (۲۹) مسند احمد، ۱۲۲/۳، حدیث ۸۹۹۵، بیروت ۱۹۹۳ء (۳۰) فتح الباری، ۳۰۰/۲، دار الفکر (۳۱) مسلم و ترمذی (۳۲) بخاری، ۳۵/۸، دار الفکر (۳۳) اتحاف السادۃ المتقین، ۲۲/۶، ۲۵، تصویر بیروت (۳۴) مجمع الزوائد، ۱۷۰/۹، ۱۱۰/۳، القدسی (۳۵) بخاری، ۱۳/۸، ۳۹، ۱۲۵، دار الفکر (۳۶) بخاری، ۸۳/۴، ۸۷/۷، دار الفکر (۳۷) مجمع الزوائد، ۲/۸، ۷، القدسی (۳۸) ابوداؤد، حدیث ۱۶۳۹، ای طبعۃ مرقمۃ (۳۹) المسند لأبی عوانہ، ۲۰/۱، بیروت (۴۰) اتحاف، ۱۴۰/۹، تصویر بیروت (۴۱) بخاری، ۱۵۷/۲، دار الفکر (۴۲) صحیح ابن خزیمہ، حدیث ۲۵۶۹، المکتب الاسلامی (۴۳) بخاری، ۱۰۳/۲، ۱۰۴، دار الفکر (۴۴) صحیح ابن خزیمہ، حدیث ۱۲۹۲، المکتب الاسلامی (۴۵) بخاری، ذبائح (۴۶) بخاری، ۶۸/۷، ۱۰/۸، دار الفکر (۴۷) ترمذی، حدیث ۲۰۲۲، مصطفیٰ الحلبی (۴۸) مسند احمد، ۲۳۰/۲، حدیث ۵۶۹۱، بیروت ۱۹۹۳ء۔

☆☆☆

مطبوعات جدیدہ

مولوی خدا بخش خاں حیات اور کارنامے: متوسط تقطیع، عمدہ کاغذ و طباعت، مجلد گردپوش، صفحات ۵۴۹، قیمت: ۲۵۰/روپے، پتہ: خدا بخش اورینٹل پبلک لائبریری، پٹنہ ۴۔

وکالت اور ججی کے پیشے میں امتیاز اور کامیابی کے باوجود، مولوی خدا بخش مرحوم کو اصل شہرت اور نام وری ان کے ذوق کتاب داری نے عطا کی، کتابوں کی تلاش، حصول اور ان کے جمع وتحفظ میں فرد واحد کے ایسے انہماک کی مثال شاذ ہی ہے، ان کی زندگی میں ان کا ذاتی کتب خانہ اپنی خصوصیتوں کی وجہ سے بہ قول علامہ شبلی ''روم ومصر وعرب وہند کے نام ور کتب خانوں کی صف میں جگہ پانے کے قابل ہوگیا تھا'' یہ نیک نیتی کا ثمرہ ہے کہ یک صدی گزر جانے کے بعد بھی اس کتب خانہ کا فیض وافادہ، عام اور جاری وساری ہے، زیر نظر کتاب میں مولوی صاحب مرحوم کی یاد میں قریب پچاس مقالات ومضامین یک جا کیے گیے ہیں جو کتب خانہ اور اس کے بانی کے ذکر و تعارف میں حد درجہ وقیع، مفید اور پراز معلومات ہیں، خصوصاً حیات خدا بخش میں ایسی کئی تحریریں آگئی ہیں جو اب گویا نایاب ہیں، ان میں خود مولوی صاحب مرحوم کی ۱۸۹۰ء کی ایک تقریر، ان کے صاحب زادے صلاح الدین خدا بخش اور مولوی حاجی معین الدین ندوی کے مفصل مضامین شامل ہیں اور خاص طور پر علامہ شبلی کے وہ تاثرات ہیں جو انھوں نے ۱۸۹۰ء میں کتب خانہ کی زیارت کے بعد علی گڑھ انسٹی ٹیوٹ میگزین میں سپرد قلم کیے تھے، یہ تحریر دبدبہ سکندری رام پور میں بھی شایع ہوئی اور اس مجموعہ میں اسی حوالے سے اس کو نقل کیا گیا ہے جس میں علامہ شبلیؒ نے مولوی صاحب مرحوم کو ایسا اولوالعزم شخص قرار دیا تھا جو ان نام ور قدیم مسلمانوں کا نمونہ ہے جن کی حوصلہ مندیوں کے افسانے سنانے میں علامہ شبلی کے قلم کو کیف وسرور حاصل ہوتا تھا، اس حصے میں توقیت خدا بخش خاں اپنی افادیت کی وجہ سے خاص طور پر قابل ذکر ہے جس سے معلوم ہوا کہ علامہ شبلیؒ ۱۹۰۱ء میں

دوبارہ کتب خانہ تشریف لے گئے تھے، حیات شبلی میں اس کا ذکر رہ گیا ہے، کتب خانے سے متعلق مضامین کے انتخاب میں بھی خوش سلیقگی نمایاں ہے، جس کے لیے ڈائرکٹر جناب محمد ضیاء الدین انصاری مبارک باد کے مستحق ہیں، البتہ حرف آغاز میں سر چارلس ایلیٹ کے مبارک ہاتھوں اور تاہنوز پر نظر ٹھہرتی ہے۔

شاداب افریقہ (افریقیۃ الخضراء): از جناب محمد ناصر العبودی، مترجم: جناب حکیم عزیز الرحمن اعظمی، متوسط تقطیع، عمدہ کاغذ وطباعت، مجلد، صفحات ۵۰۵، قیمت: ۱۵۰/روپے، پتہ: مکتبہ فردوس، مکارم نگر (برولیا) لکھنؤ۔

مدینہ منورہ کی مشہور درس گاہ جامعہ اسلامیہ کے فارغ التحصیل طلبہ، دعوت اسلام کے فریضہ کو بحسن وخوبی انجام دے رہے ہیں، آج اکثر ملکوں میں یہ طلبہ سرگرم عمل ہیں، اس کتاب کے فاضل مولف نے جامعہ اسلامیہ کے اہم ذمہ دار ہونے کی حیثیت سے ان ممالک کا دورہ کیا اور دعوت وتبلیغ کے منہج، ضرورت اور امکانات کا بہ چشم خود جائزہ لیا، ان کی روداد مختلف سفرناموں کی شکل میں شایع ہوتی رہی، زیر نظر کتاب، افریقہ کے بعض ملکوں مثلاً سوڈان، اریٹیریا، حبش، کینیا، صومال، یوگنڈا، یورنڈی، زمبابوے، تنگانیکا، ملادی اور کانگو کی روداد سفر ہے، فاضل سیاح کے بہ قول یہ مشاہدات اور تاثرات کی ڈائری ہے، واقعتاً اس میں ذاتی ڈائری کی وہ تمام خوبیاں اور دلچسپیاں ہیں جو دوسروں کو بھی شریک سفر بنادیتی ہیں، اس سفرنامے میں بعض ملک ایسے بھی ہیں جہاں کے مسلمانوں کے حالات سے لوگ زیادہ باخبر نہیں، اب ان کی مذہبی، تعلیمی اور معاشرتی زندگی کی ایسی تصویر سامنے آئی ہے جو زیادہ خوش نما نہیں، جہالت وغربت اور اوہام وخرافات کے سایے اب بھی ان پر چھائے ہوئے ہیں، ان افریقی باشندوں کا استحصال بھی ایشیا کی بہ نسبت کہیں زیادہ ہے لیکن حرارت اسلامی بہ ہر حال موجود ہے، روانڈا اور زمبیا جیسے ملکوں میں اردو بول چال اور اردو مدارس کا وجود حیرت ومسرت کا باعث ہے، نظر کی گہرائی اور لہجے کی سچائی نے ان ملکوں کی تہذیب، زبان، رہن سہن وغیرہ کے ذکر میں عجب کشش پیدا کردی ہے، ترجمہ شگفتہ ہے، فاضل مترجم مشاق اہل قلم ہیں، ان کے کئی ترجمے پہلے بھی شایع ہوچکے ہیں، یہ ترجمہ بھی طبع زاد معلوم ہوتا ہے، اسے اردو کے سفرناموں میں وقعت کی نظر سے دیکھا جائے گا۔

تمباکو اور اسلام: از جناب مولانا حافظ الرحمٰن اعظمی ندوی، متوسط تقطیع، بہترین کاغذ و طباعت، مجلد، صفحات ۱۸۴، قیمت: ۵۰/روپے، پتہ: فرید بک ڈپو، ۲۱۵۸، ایم پی اسٹریٹ، پٹوڈی ہاؤس، دریا گنج، دہلی ۲۔

تمباکو کے جواز و عدم جواز کی بحث پرانی ہو چکی لیکن حلت و حرمت سے قطع نظر اس کی مضرت پر سب کا اتفاق ہے، تہذیب جدید نے خود اپنے ہاتھوں خودکشی کے جو سامان مہیا کیے اس میں تمباکو کا اثر و عنصر غالب ہے، سگریٹ اور کوئینس وغیرہ کے تباہ کن اثرات اب کسی سے مخفی نہیں لیکن ہر نشہ آور شے کی طرح اس کی لت بھی چھٹتی نظر نہیں آتی، اس موضوع پر بہت لکھا جاتا رہا ہے لیکن یہ کتاب اس لحاظ سے سب سے جدا ہے کہ اس میں حلت و حرمت کے تمام دلائل، علی الخصوص ائمہ اربعہ کے مکاتب فقہ کی روشنی میں تفصیل بیان کرنے سے پہلے تمباکو کی حقیقت، تاریخ، مختلف ملکوں میں اس کے وجود، طبی حیثیت، اسلام اور دیگر مذاہب میں اس کی حیثیت، عہد اسلامی میں مصر و ترکی و ہندوستان کے سلاطین کے احکام اور تمباکو کے خلاف موجودہ مہم پر محققانہ شان سے بحث کی گئی ہے، لائق مصنف کے نزدیک تمباکو شراب کی طرح حرام و نجس تو نہیں لیکن مکروہ تحریمی ضرور ہے اور اس بنیاد پر وہ تمباکو کی کاشت اور تجارت کو غیر شرعی فعل اور اس کی آمدنی کو (سحت) حرام قرار دیتے ہیں اور کہتے ہیں کہ اس کی رقم سے کوئی عبادت درست نہیں بلکہ تمباکو نوش علمائے دین کو امامت، خطابت اور افتاء سے دور رکھنا چاہیے لیکن یہ احتیاط ذرا اعتدال سے تجاوز ہے، خود مصنف کے نقل کردہ حرمت کے تمام دلائل بھی اس کی تائید سے قاصر ہیں، قول متوازن یہی ہے کہ تمباکو کی غیر معمولی ضرر رسانی اور اس کے تباہ کن اثرات کی وجہ سے بہ ممکن حد تک اس سے اجتناب کیا جائے، کتاب کا اصل پیغام یہی ہے، فقہی مباحث کی قدرے خشک فضا میں اردو اور فارسی کے قدیم اور کچھ جدید اشعار پیش کرکے ضیافت طبع کا سامان بھی مہیا کر دیا گیا ہے، کتاب کی افادیت بہرحال مسلم ہے۔

نقوش حرم: از جناب محمد فاروق اعظمی، متوسط تقطیع، کاغذ و کتابت و طباعت بہتر، صفحات ۱۳۲، قیمت: ۶۰ روپے، پتہ: اعظمی ہاؤس 7/B، ڈاکٹر اقبال کالونی، مہرون، جلگاؤں، مہاراشٹر۔

یہ مختصر اور پراثر سفرنامۂ حج ایک ایسے زائر کے قلم سے ہے جس کی وابستگی درس و تدریس

کے مشغلے سے رہی، وہ سیکھنے اور سکھانے کے ہنر سے بخوبی واقف ہیں، پاک طینت اور سادگی پسند طبیعت پائی ہے، اس سفرنامے میں ان کی یہی خوبیاں نمایاں ہیں، حرمین شریفین کے جلال و جمال اور لفظوں میں نہ آسکنے والی کیفیت و حال کے اظہار کے ساتھ بعض مراحل پر پرجوش حجاج کی بے احتیاطیوں بلکہ زیادتیوں کو بھی انہوں نے دردمندی سے بیان کر دیا ہے، حج کی مذہبی حیثیت کے علاوہ اس کی تاریخی اہمیت نے قدم قدم پر ان کے قلب و نظر کی رہنمائی کی، یہ تاثرات دوسرے عازمین حج کے لیے کارآمد ہو سکتے ہیں۔

WESTERN CIVILIZATION, MALADY AND REMEDY: از جناب مولانا حبیب ریحان خاں ندوی، متوسط تقطیع، کاغذ و کتابت و طباعت بہتر، صفحات ۱۸۸، قیمت: ۸۰/روپے، پتہ: دارالتصنیف والترجمہ، ۲/۷۔ رفیقیہ اسکول روڈ، بھوپال۔

چند سال قبل فاضل مصنف کی کتاب، مغربی تہذیب، انحطاط اور علاج، کے نام سے شائع ہوئی تھی، اسلامی اور مغربی تہذیب کے بنیادی فرق کی علمی وضاحت، کلامی رنگ اور معروضی اسلوب اور مصطفی سباعی کے انٹرویو اور اس پر مصنف کے مفید حواشی کی وجہ سے اس قابل قدر کتاب کی بڑی پذیرائی ہوئی اور مختلف حلقوں سے اس کی انگریزی طباعت کا تقاضا ہوا، مسلم یونیورسٹی کے شعبۂ انگریزی کے پروفیسر عبدالرحیم قدوائی کی مساعی نے زیر نظر کتاب کی شکل میں اس مشکل کو آسان کیا، اردو ایڈیشن کا ذکر ان صفحات میں آچکا ہے، توقع ہے کہ انگریزی داں طبقے کے لیے یہ زیادہ مفید اور نافع ثابت ہوگی۔

شکوہ جواب شکوہ (REPRESENTATION AND REPLY) از جناب راجہ سلطان ظہور اختر، متوسط تقطیع، بہترین کاغذ و کتابت و طباعت، مجلد مع خوبصورت گرد پوش، صفحات ۱۳۷، قیمت: ۲۰۰/روپے، پتہ: اقبال اکادمی، ۱۱۶، میکلوڈ روڈ، لاہور۔

علامہ اقبال کی مشہور نظم شکوہ و جواب شکوہ کا یہ انگریزی ترجمہ ان کے محب رفیق راجہ حسن اختر کے لائق صاحبزادے کے قلم سے ہے، مقصد ظاہر ہے کہ علامہ مرحوم کے کلام و پیام کو عام کیا جائے، شکوہ کی اہمیت کے پیش نظر پہلے بھی پروفیسر آربری، خوشونت سنگھ، نواب محمود علی خاں،

ڈیوڈ میتھیوز اور الطاف حسین نے اس کو انگریزی قالب عطا کیا، الطاف حسین مرحوم کے ترجمے کا ایک جدید ایڈیشن کلکتہ سے پروفیسر مقبول احمد نے اصل اردو اشعار اور ان کے رومن اسکرپٹ کے ساتھ دو سال قبل شائع کیا، لیکن زیرنظر ایڈیشن کے فاضل مترجم کی نظر میں اب بھی خوب سے خوب تر کی گنجائش تھی، یہ ترجمہ اسی احساس کے ساتھ پیش کیا گیا ہے، اردو اشعار اور رومن اسکرپٹ کا اس میں بھی التزام ہے، ڈاکٹر جاوید اقبال کے توصیفی کلمات، مترجم کے دعوی کے شاہد ہیں، کتابت وطباعت کے اعلی معیار نے کتاب کے حسن کو دوبالا کردیا ہے۔

مہکتے پھول: از جناب مختار بجنی، مرتبہ ڈاکٹر انور حسین خاں، متوسط تقطیع، عمدہ کاغذ وطباعت، مجلد، صفحات ۹۲، قیمت ۵۰/روپے، پتہ: دانش محل، امین آباد پارک، لکھنؤ۔

جناب مختار بجنی مرحوم، بارہ بنکی کے علاقہ بھٹیانہ کی مردم خیز بستی موئی کے لایق فرزند تھے، عمدہ شاعرانہ صلاحیت کے باوجود ان کو شایان شان شہرت نہیں ملی، انہوں نے خاص طور پر بچوں کے لیے نظمیں کہیں جن میں بچوں کے ذہن، مزاج اور دلچسپی کی رعایت کے ساتھ ان کی ذہنی تربیت کا خاص خیال رکھا گیا، ان کی مطبوعہ نظموں کا ایک مجموعہ بدقسمتی سے نذر آتش ہوگیا، زیرنظر مجموعہ ان کی ایک غیر مطبوعہ بیاض کی نظموں پر مشتمل ہے، یہ قریب تیس نظمیں ہیں، بچے ان کو پڑھ کر یاد کرسکتے ہیں، اردو کے ادب اطفال میں ان پھولوں کی مہک، دل کش اور خوش گوار اضافہ ہے، بجنی مرحوم کی شخصیت پر ایک اچھی تحریر کے ساتھ لایق مرتب نے سلیقے سے مجموعہ کو مرتب کردیا۔

فری میسنز کی اپنی مذہبی رسوم: مترجم جناب عبدالرشید ارشد، صفحات ۱۲۸، قیمت درج نہیں، پتہ: تھنکرز فورم، الریاض، سعودی عرب۔

فری میسن تحریک غیر معروف نہیں لیکن اس کی بنیاد، اصل مرکز ومقاصد سے عموماً واقفیت بہت کم ہے، لایق مترجم کو اس تحریک کے ایک گمنام سرگرم رکن (ماسٹر میسن) کی کتاب فری میسنز اون ریچوئل ملی جس سے اس تحریک کے بعض اسرار تک رسائی ہوتی ہے، فتنہ یہود کی زہرناکی سے باخبر رکھنے کے لیے اس کتاب کا ترجمہ کیا گیا کہ اصلاحی تحریک بھی یہود کے فساد ذہن کا شاخسانہ ہے۔

"ع-ص"